ہر دم رلاتا والد کا غم ہے
نہیں ہوا وہ آج بھی کم ہے
روزانہ کر کے یاد ان کو
ہو جاتی آنکھیں میری نم ہے

(سلام لاجپوری)

ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا (احقاف)

والد ماجد ابراہیم بن احمد مارویا رحمہ اللہ اور ان کی کچھ یادیں کچھ باتیں

مرتب

عبدالسلام ابراہیم مارویا لاجپوری

خادم مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن

بات جو بھی اچھی ہو دل میں اتار لینا چاہئے
اور زندگی کو اپنی سنوار لینا چاہئے

(سلام لاچپوری)

سکون ملتا ہے ایسا یاد ماضی میں
جیسے سر ہو اپنا ماں کی گودی میں

(سلام لاچپوری)

کتنے موتی اک تھپیڑے سے کنارے آ گئے
ان کے بارے میں سوچا اور آنسو آ گئے

بڑی نعمت نعمت ماں باپ ہے
وہ تھے تو ہم اور آپ ہے
نہ دینا کبھی ان کو رنج و غم
نگاہ شرع میں یہ بڑا پاپ ہے

(سلام لاجپوری)

خدا کی عظیم نعمت فادھر مدھر ہے
ہے وہ خوش نصیب جو کرتا ان کی قدر ہے

(سلام لاجپوری)

نام کتاب۔ والد مرحوم کی کچھ یادیں، کچھ باتیں

مصنف۔ عبدالسلام ابراہیم مارویا، لاجپوری

حال مقیم، اسٹامفورڈ ہل، لندن

تخلص۔ سلام، لاجپوری

صفحات۔ ۲۳۲

تعداد۔ ۵۰۰

قیمت۔ مطالعہ و دعا

طباعت۔

ناشر۔ مکتبہ سلیمانیہ، اجمیری محلّہ، لاجپور، ضلع سورت، گجرات

کتاب ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ سلیمانیہ، اجمیری محلّہ، لاجپور، سورت

(۲) مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ، سورت

(۳) مولوی عبداللہ انصاری، موبائل 9898926717

(۴) صالح کتاب سینٹر، نوساری، موبائل: 9824741280

(۵) عبدالسلام لاجپوری، لندن، موبائل: 07877937731

احساس کیجئے

والد اولاد کے لئے اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، مگر اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جن کے والد حیات ہے انہیں اس نعمت کا احساس اور قدر نہیں ہوتی ہے الا ماشاء اللہ، وہیں جس سے یہ نعمت چھن چکی ہوتی ہے اسے ہر پل اس نعمت کے کھونے اور ان کی حیات میں ان کی صحیح قدر و منزلت نہ پہچاننے کا احساس دامن گیر رہتا ہے، اللہ تعالی جن کے والدین حیات ہیں انہیں ان کی صحیح قدر کی توفیق مرحمت فرمائے، اور جن کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک اللہ تعالی کو پیارا ہو گیا ہے انہیں جنت الفردوس میں اعلی مقام سے نوازے، آمین۔

یاد رکھنے لائق بات

ماں باپ کے ساتھ اولاد کا سلوک ایک ایسی کہانی ہے جو لکھتے تو ہم ہیں لیکن ہماری اولاد ہمیں پڑھ کر سناتی ہے۔

مقصد تحریر

اطراف و جہالت کو مرتب کر لے
رو داد حیات کو مرتب کر لے
اس سے پہلے کہ بھول جائے سب کچھ
یادوں کی بارات کو مرتب کر لے

جوش ملیح آبادی بڑے شاعر گذرے ہیں، مذکورۂ بالا رباعی میں انہوں نے میری ان یادوں کے جمع کرنے کا مقصد بیان کر دیا ہے۔

ہوا یوں کہ ایک دن والد مرحوم کے تعلق سے ایک مضمون تحریر کیا اور اسے کچھ دوستوں سے ساجھا کیا، بعض دوستوں نے اسے پڑھ کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ والد مرحوم کے تعلق سے جتنی باتیں یاد ہیں مرتب کر کے اسے کتابی شکل دیدی جائے، اس طرح یہ کتابچہ تیار ہو کر اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ والد مرحوم کو اپنی مستجاب دعا میں یاد رکھے، امید ہے کہ اس میں ذکر کردہ باتوں سے قارئین کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا، ان شاءاللہ تعالی۔

ہے امید کام کی بات ہاتھ آئے گی
جو زندگی بھر قارئین کے کام آئے گی

(سلام لاجپوری)

تفصیلات

اسم۔ابراہیم بن احمد مارویا(ماسٹر)

وطن۔لاجپور،ضلع سورت،گجرات،انڈیا۔

سال پیدائش۔۱۹۴۹ء۔

جائے پیدائش۔لاجپور۔

دینی تعلیم۔مدرسہ اسلامیہ لاجپور۔

اساتذہ۔مولانا عبدالحئ کاسوجی لاجپوری۔

مولانا عبدالقدوس دیوان(صوفی)لاجپوری۔

مولانا ابراہیم جھٹپٹیا لاجپوری۔

اسکول کی تعلیم۔لاجپور پراتھمک ساڑا،ایل،ڈی ہائی سکول سچین۔

آبائی مکان۔اتارا محلّہ۔

پیشہ۔زمینداری،پوسٹ ماسٹر اور دیگر کچھ پیشے۔

مزاج۔معتدل

نکاح۔۱۹۷۸ء

اولاد۔تین لڑکے چار لڑکیاں۔

ایک لڑکا بنام اسماعیل کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔

تاریخ وفات۔۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۴ جون ۲۰۰۰ء۔

مقام وفات ۔لاجپور۔کل عمر۔۵۱سال۔

تدفین ۔لاجپور جامع مسجد کے سامنے جو قبرستان ہے اس میں عمل میں آئی۔

پیش کی یہ موٹی موٹی تفصیلات ہے

آگئی اس میں اہم اہم معلومات ہے

(سلام لاجپوری)

ماحول گاؤں کا بے حد خوشگوار تھا

گھر کچے تھے پر مٹی کی خوشبو مہکتی تھی
لوگوں کے چہرے سے محبت چھلکتی تھی
پاس لوگوں کے دھن کم تھا
برتاؤ میں مگر سب کے اپنا پن تھا
ایک دوجے پہ ہوتا اعتبار تھا
ماحول گاؤں کا بے حد خوشگوار تھا
ہر کوئی ایک دوجے کے دکھ میں شریک ہوتا تھا
کرتے تھے عیادت گر کوئی مریض ہوتا تھا
شاہراہیں گاؤں کی بھلے کچی تھی
پر محبت سب کی سچی تھی
رستے سے اٹھتی بیشک دھول تھی
فضا گاؤں کی مگر ٹھنڈی ٹھنڈی cool تھی

(سلام لاجپوری)

وطن سے محبت

وطن سے محبت سب کو ہوتی ہے
اِسے اُسے مجھے سب کو ہوتی ہے
جسے ہے وطن سے محبت ہمیں اس پہ مان ہے
مشہور مقولہ ہے حب الوطن جزء ایمان ہے
کرتا ہے کوئی بات وطن کی اچھا لگتا ہے
وطن کے بارے میں دیکھا ہر سپنا سچا لگتا ہے
باتوں میں ہماری ذکر وطن آ ہی جاتا ہے
ہو ذکر وطن تو دل کو بھا ہی جاتا ہے
ذکر وطن سلام تو شوق سے کرتے رہنا
کسی کو اچھا لگے یا برا تو کرتے رہنا

(سلام لاجپوری)

مسلم بوہرہ کے ۱۴۰ گاؤں میں سے ایک گاؤں ''لاجپور،، بھی ہے

والد مرحوم کا آبائی گاؤں لاجپور ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول گاؤں لاجپور کی مختصر تاریخ تحریر کردوں، لاجپور اور اطراف لاجپور میں جو قومیں سکونت پذیر ہے، ان میں ایک کا نام ''بوہرہ قوم،، ہے والد مرحوم کا تعلق بوہرہ قوم سے ہے، ہماری طرف مسلم بوہرہ کی بستی والے ۱۴۰ گاؤں ہیں ان میں سے ایک گاؤں ''لاجپور،، بھی ہے، لاجپور ایک بڑا گاؤں ہے اسے قصبہ بھی کہہ سکتے ہیں، اور اب تو ماشاء اللہ گاؤں لاجپور کئی طرح کی سہولتوں سے مالامال ہے، ضروریات زندگی کی تقریباً ہر چیز یہاں بسہولت میسر آجاتی ہے، گاؤں میں مدرسہ بھی ہے اور دارالعلوم بھی ہے، گجراتی میڈیم سکول بھی ہے اور انگلش میڈیم سکول بھی، ہسپتال بھی ہے اور عید گاہ بھی، گاؤں کی آبادی دن بدن بڑھتی ہی جارہی ہے، الغرض! لاجپور ایک بڑا گاؤں ہے اسے ''قریۃ الصالحین،، کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، کسی زمانہ میں یہ نواب ابراہیم خان مرحوم کا پایۂ تخت یعنی راجدھانی بھی رہ چکا ہے، اس کی مختصر تفصیل پیش خدمت ہے۔

اسلامی ریاست

گاؤں لاجپور کسی دور میں سچین کی اسلامی ریاست کے ماتحت تھا اور ایک لمبے عرصے تک لاجپور سچین کے نوابوں کی رہائش گاہ رہا ہے، morocco (مراکش) کے عربوں میں سے ایک عرب نے بمبئی کے قریب زنجیرہ zanjireh پر قبضہ

کرلیا، کچھ عرصہ بعداس کا انتقال ہوگیا،اس کا ایک بیٹا تھا یوسف علی خان، والد کے انتقال کے بعدوہ جزیرے کا حاکم بنا، حاکم بننے کے بعداس نے ایک برہمن لڑکی کے ساتھ نکاح کیا،اس سے اسے ایک لڑکا ہوا اس کا نام رکھا گیا ابراہیم خان، یوسف علی خان کواس کی پہلی عورت سے بھی ایک لڑکا تھا، جب یوسف علی خان کا انتقال ہوا تو اس کے دونوں بیٹوں میں تخت نشینی کو لے کر جھگڑا شروع ہوگیا، جھگڑے کے نتیجہ میں ابراہیم خان کوزنجیرہ چھوڑ کر puna منتقل ہونا پڑا،اس وقت پونا میں باجی راؤ کی حکومت تھی، ابراہیم خان نے باجی راؤ سے عسکری مدد طلب کی مگراس وقت باجی راؤ کالشکر ہولکر شندے کے لشکر کے ساتھ جنگ کرنے میں مصروف تھااس لئے باجی راؤابراہیم خان کی مدد نہیں کرسکا۔

ابراہیم خان پیشوا کے سہارے رہنے لگے،اس درمیان ابراہیم خان سے ایک غلطی ہوگئی جس کی وجہ سے پیشوا اور ابراہیم خان کے درمیان سخت اختلافات ہوگئے، یہاں تک کہ پیشوا نے من بنالیا کہ ابراہیم خان کاقتل کردے گا مگراس کا وزیر دانشمند تھااس نے سوچا کہ اگر پیشوا نے یہ اقدام کیا تو اس کے نتیجہ میں چونکہ پیشوا کے لشکر میں بہت سے عرب سپاہی بھی ہیں کہیں وہ عرب سپاہی نافرمانی اور بغاوت پرآمادہ نہ ہوجائے اور ہوا بھی ویسا ہی کہ اس کے لشکر میں موجود عرب سپاہیوں کو پیشوا کے اس ارادے کی جیسے ہی بھنک لگی انہوں نے بغاوت کا عندیہ دیدیا، پیشوا ایک طرف تو ہولکر شندے کے ساتھ لڑائی میں مشغول تھا اور دوسری طرف انگریز کے

گورنر کی بری نظریں puna پر لگی ہوئی تھی وہ اس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ اگر عرب سپاہیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کا بگل بجا دیا تو اس کا فائدہ اٹھا کر انگریز جنرل puna پر قبضہ کرسکتا ہے، اس لئے مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی ایسی صورت نکالی جائے کہ جس سے ابراہیم خان puna چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے، اس طرح عرب سپاہیوں کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا، چنانچہ ان کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے پیشوا نے ابراہیم خان کو اکیس گاؤں کی ریاست سچین کا مالک اور حاکم بنا دیا، اس طرح ابراہیم خان کی ۱۸۰۲ء میں ریاست سچین کے حاکم کے طور پر سچین میں تشریف آوری ہوئی۔

لاجپور میں مستقل سکونت

اس وقت ''لاجپور،، میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد تھی، لوگوں کا رجحان دینی تعلیم کی طرف خوب تھا، نیز دینی تعلیم دینے کا بہت اچھا انتظام بھی تھا، یہ دیکھ کر ابراہیم خان کا دل لاجپور کی طرف مائل ہوا، چنانچہ ابراہیم خان نے ۱۸۱۰ء میں لاجپور میں اپنے لئے ایک کوٹھی تعمیر کی جہاں کوٹھی تعمیر کی وہ جگہ ''گلی،، کے نام سے مشہور تھی، فی الحال جہاں شبیر بھائی خان جو کہ نذیر خان اور ذاکر خان کے والد ہے ان کی رہائش گاہ ہے یعنی منشی دادی پٹیل سکول کے پڑوس میں، کوٹھی کی تعمیر کے بعد نواب ابراہیم خان نے اپنے پورے قبیلے سمیت لاجپور میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، اس طرح کئی سال تک ''لاجپور،، ریاست سچین کا ''پایۂ تخت،، یعنی دار

الحکومت رہا۔

وطن کی مٹی سے محبت فطری چیز ہے

وطن کی خاک سے ہے مرکر بھی ہم کو انس باقی
مزہ دامن مادر کا ہے اس مٹی کے دامن میں
دل سے نکلے گی نہ مرکر بھی وطن کی الفت
مری مٹی سے بھی خوشبوئے وفا آئے گی

والد مرحوم کو اپنے آبائی گاؤں سے خوب محبت تھی، زندگی میں ایک موقع ایسا بھی آیا کہ آپ کو پیسہ لے کر اپنے آبائی مکان سے حصہ ختم کرنے کو کہا گیا جس کی پوری تفصیل آگے آئے گی، والد مرحوم نے بلا وقت خرچ کئے فوراً منع کر دیا، اس سے والد مرحوم کے گاؤں سے لگاؤ اور محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ویسے اپنی مٹی سے محبت کا فطرت بھی تقاضہ کرتی ہے، انسان جہاں پیدا ہوتا ہے، پلتا بڑھتا ہے اس مٹی سے اس کی محبت فطری چیز ہے، بقول شخصے چھوٹے بچے بچپنے میں جو مٹی کھاتے ہیں ؎

ہنستے ہوئے ماں باپ کی خفگی نہیں کھاتے
بچے ہیں تو کیوں شوق سے مٹی نہیں کھاتے

(منور رانا)

وہ بچے کے بدن کا جز بن کر اس کے رگ وریشے میں سرایت کر جاتی

ہے،اور بقول شخصے انڈیا میں خاص کر گاؤں میں آج سے کچھ سالوں پہلے تک کچے روڈ ہوتے تھے تو مٹی اڑ کر آنکھوں میں چلی جاتی تھی،اس کا اثر یہ تھا کہ نگاہوں میں گاؤں کی محبت خوب رچ بس جاتی تھی۔

خاک آنکھوں میں گئی تو یہ احساس ہوا
گاؤں کی مٹی میں بھی اپنا پن ہوتا ہے

مشہور مقولہ ہے "حب الوطن من الایمان"، جیسے ایمان دل کی صفت ہے اسی طرح وطن کی محبت بھی دل میں جگہ بناتی ہے۔

وطن سے محبت کرنے کا سبق ہمیں آقائے نامدار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بھی ملتا ہے، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے وطن سے بڑی محبت تھی، امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے

عن عبد اللہ عدی بن حمراء قال رایت واقفاً علی الحزورة فقال واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ الی اللہ ولولا انی اخرجت منک ما خرجت (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عدی بن حمراء کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حزورہ پر کھڑے ہوئے (مکہ مکرمہ کی نسبت) فرما رہے تھے کہ خدا کی قسم! تو خدا تعالی کی زمین کا بہتر قطعہ ہے، اور تو خدا تعالی کے نزدیک خدا تعالی کی زمین کا سب سے محبوب حصہ ہے، اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔

صحابۂ کرام کی وطن سے محبت کی ایک جھلک

حضرت ابوبکرؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ شریف لے گئے اور شدت بخار میں مبتلا ہو گئے، حضرت عائشہؓ مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئیں تو اس وقت حضرت ابوبکرؓ مکہ مکرمہ اور وہاں کی آب و ہوا مکانات اور پہاڑوں کی صحت افزا فضاؤں کا بآواز بلند ذکر کرنے لگے۔

حضرت عائشہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والد کا یہ حال ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی

اللھم حبب الینا المدینة کحبنا مکةاو اشد وبارک لنا فی صاعھا و مدھا وانقل حماھا واجعلھا بالجحفة (متفق علیہ)

اے اللہ! تو مدینہ منورہ کو ہمارا محبوب بنادے جس طرح تو نے مکہ مکرمہ کو ہمارا محبوب بنایا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور مدینہ منورہ کی آب وہوا اور اس کے بخار کو یہاں سے نکال کر جحفہ میں منتقل کر دے۔

مؤذن رسول حضرت بلالؓ مکہ مکرمہ کی وادیوں، چشموں اور پہاڑوں کو یاد کر کے چینخ اٹھتے تھے اور اپنے رنج وغم کا اظہار ان حسرتناک اشعار میں کرتے تھے۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلة   بواد و حولی اذخر

کاش! میں ایک رات اس میدان میں بسر کرتا جس میں میرے گرد اذخر

وجلیل ہوتے (اذخر وجلیل مکہ مکرمہ کی دو گھاسوں کا نام ہے)

وھل اردن یوما مباہ مجنۃ   وھل یبدون لی شامۃ و طفیل

کیا پھر میں کسی دن کوہ مجنۃ کے چشموں سے سیراب ہوں گا، کیا میرے سامنے پھر شامہ وطفیل (دو پہاڑیاں) ہوگی۔

حضرت سداد بن اوسؓ بھی مدینہ منورہ آکر بیمار ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت فرمائی، حال چال پوچھا، کہا بیمار ہوں اگر بطحان (مکہ مکرمہ کو یاد فرمارہے ہیں) کا پانی پی لیتا تو اچھا ہوجاتا، فرمایا تو کون روکتا ہے، کہا ہجرت، ارشاد ہوا جاؤتم ہر جگہ مہاجر رہو گے (اسد الغابۃ تذکرہ حضرت سداد بن اوس، اسوۂ صحابہ حصہ اول ص ۴۵)

مناظر اسلام، سلطان القلم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ آدمی جس خطہ میں پیدا ہوجاتا ہے یا پیدا کردیا جاتا ہے چاہتا ہے کہ جتنے دنوں بھی یہاں جینا ہے کسی نہ کسی طرح ان دنوں میں اس علاقہ کے ماحول کو اپنے اندرونی احساسات کے مطابق بنالیا جائے، میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی نفسیاتی کاریگری کا نام ''حب الوطنی،، ہے، دنیا کا کوئی شہر ایسا نہیں ہے جس میں شر کا پہلو نہ پیدا ہوتا ہو مگر عام قاعدہ ہے کہ آدمی شر کے پہلوؤں سے قطع نظر کر کے خیر ہی کے پہلوؤں سے اپنے وطن کے متعلق تسلی حاصل کیا کرتا ہے۔ (ہزار سال پہلے ص ۵۷ بتغیر)

وطن کی مٹی بہت تاثیر رکھتی ہے

اس مضمون کو ایک اور طریق پر سمجھتے ہیں، بخاری و مسلم کی روایت ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے بدن کے کسی حصہ (کے درد) کی شکایت کرتا یا (اس کے جسم کے کسی عضو پر) پھوڑا یا زخم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی سے اشارہ کر کے یہ دعا فرماتے **بسم الله تربة ارضنا بريقة بعضنا ليشفى سقيمنا باذن ربنا**

خدا تعالی کے نام سے میں برکت حاصل کرتا ہوں، یہ مٹی ہمارے بعض آدمیوں کے لعاب دہن سے آلودہ ہے (یہ اس لئے ہم کہتے ہیں تا کہ) پروردگار کے حکم سے ہمارا بیمار بدن تندرست ہو جائے۔

صاحب مظاہر حق حضرت مولانا نواب قطب الدین صاحبؒ اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہے پھوڑوں اور زخموں کے علاج کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ اور یہ دعا درحقیقت رموز الہی میں سے ایک رمز ہے آپ ہی جانتے تھے ہماری عقلیں اس رمز کی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر ہے، تاہم قاضی بیضاویؒ نے از راہ احتمال لکھا ہے کہ طبی نقطۂ نظر سے یہ بات ثابت ہے کہ تبدیلئ مزاج کے سلسلہ میں لعاب دہن بہت مؤثر ہوتا ہے، اسی طرح مزاج کو اپنی حالت پر برقرار رکھنے کے لئے وطن کی مٹی بہت تاثیر رکھتی ہے، یہاں تک کہ حکماء لکھتے ہیں کہ مسافر کو چاہئے کہ وہ اپنے ساتھ اپنے وطن کی کچھ خاک ضرور رکھے اور

تھوڑی سی خاک پانی کے برتن میں ڈال دے اور اسی برتن سے دوران سفر پانی پیتا رہے تا کہ اس کی وجہ سے مزاج کی تبدیلی سے محفوظ رہے، علامہ نواب قطب الدینؒ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی بنا پر یہ طریقہ اختیار فرماتے ہوں (مظاہر حق ج۲)

حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلویؒ کے خطبات میں ہے فرمایا کہ سلاطین مغلیہ اپنے ساتھ سفر میں وطن کی مٹی کو رکھتے تھے، کسی نے خوب کہا ہے ؎

حب وطن از ملک سلیماں خوش تر
خار وطن از سنبل وریحاں خوش تر

یوسف کہ بمصر بادشاہی می کرد
می گفت کہ گدا بودن کنعان خوش تر

وطن کی یاد انسان کے دل میں ایسی نقش ہوتی ہے کہ ساری عمر محو نہیں ہوتی بلکہ وہ رہ رہ کر ستاتی رہتی ہے، جس گھر میں بچہ پلتا ہے اس کا چپہ چپہ اس کے ذہن میں نقش ہو جاتا ہے، گھر کے در و دیوار، کھڑکیاں، چھتیں، دالان، گھر کی سیڑھیاں اور اس کا طول وعرض اور محل وقوع سب چیزیں سدا کے لئے دماغ میں نقش ہو جاتی ہیں، جن گلی کوچوں میں بچہ کھیلا ہوتا ہے اس کی یاد بھی ذہن سے کبھی محو نہیں ہوتی، بچپن کی یادیں سب یادوں سے زیادہ دیرپا اور حسرت ناک ہوتی ہے۔

لاجپور ایک تاریخی قصبہ ہے

مرے گاؤں جتنا سندر کوئی گاؤں نہ ہوگا
کوئی نہیں ہے اس کا مول کوئی بھاؤ نہ ہوگا

حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری دامت برکاتہم العالیہ جو ماشاء اللہ کئی دینی وعلمی کتب کے مصنف ہیں جو لاجپور کا ہی نہیں بلکہ سرزمین گجرات کا بھی فخر ہے، ان کی تین جلدوں پر مشتمل ایک تالیف ہے بنام ''ذکر صالحین،، اس کی جلد سوم میں آں محترم سرزمین لاجپور کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں کہ لاجپور ضلع سورت کا ایک ممتاز علمی وتاریخی قصبہ ہے، شہر سورت سے جانب جنوب تقریباً دس میل پر یہ قصبہ واقع ہے، کسی زمانہ میں نواب سچین (بر وزن امین) کا یہ دار الاقامہ رہا ہے (ذکر صالحین ج۳ص۳۹۴)

نیز تحریر کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اس قصبہ میں کچھ ایسی خصوصیات رکھی ہیں جو کم بستیوں کو نصیب ہوئیں، اس میں صاحب کشف وکرامات اولیاء، حالات زمانہ کے مطابق رہبری کرنے والے ارباب فتوی، امت کی اصلاح کرنے والے خطباء، تزکیۂ نفس کے ماہر صوفیاء ومشائخ، دار العلوم کی تدریس کے لائق صاحب استعداد مدرسین، مدارس کے بانی و منتظمین، دینی و کار آمد تصانیف کے مصنفین، منصب امامت کے شایان شان ائمۂ دین اور ماہر فن شعراء پیدا ہوئے (حوالا بالا ص۴۶۸)

لاجپور (بروزن رامپور، وکانپور) ضلع سورت کا ایک بڑا قصبہ ہے، اس وقت لاجپور کی مردم شماری ۱۰ ہزار سے زائد ہے (اب اس تعداد میں ممکن ہے کچھ کمی بیشی ہوئی ہو کمی تو مشکل ہے، زیادتی ممکن ہے) سنی بوہرہ قوم کے ایک سو چالیس گاؤں میں ''لاجپور،، اپنی خصوصیات میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے (حوالا بالاص ۴۷۰)

تاریخ میں ''لاجپور،، کو بعض جگہ ''راجپور،، بھی لکھا ہے، لیکن فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کے خاندان کو علمی خدمات کے صلہ میں اراضی وغیرہ کے جو عطیات عہد شاہ جہانی و عالمگیری میں دیئے گئے ان کے فارسی دستاویزوں میں اسے ''لاجپور،، ہی لکھا گیا ہے (حوالا بالاص ۴۷۲)

مکان میرا پرانا صحیح پر محل سے کم نہیں
میری نگاہ میں تو تاج محل سے کم نہیں
پاس میرے پرکھوں کی یہ نشانی موجود ہے
پاس اب کچھ بھی نہ ہو تو مجھے کچھ غم نہیں

(سلام لاچپوری)

مکان میرا بھلے دکھتا کھنڈر ہے
بسی اس کی محبت آج بھی دل کے اندر ہے

(سلام لاچپوری)

یہ جو دِکھ رہا ہے میرا گھر ہے
گذرے اس میں میرے شام و سحر ہے
جو اس کے فروخت کرنے کا مشورہ دیتا ہے
وہ آدمی لگتا مجھے زہر ہے

(سلام لاچپوری)

خدایا سلام کی یہ دعا امانت رہے
مکان یہ میرا سدا سلامت رہے

آبائی مکان

لاجپور میں جو ہمارا آبائی مکان ہے

ابراہیم منزل اس کا نام ہے

جڑی اس سے بہت سی یادیں ہیں

کرنی اس تعلق سے کئی ساری باتیں ہیں

مکان میرا پرکھوں کی آخری نشانی ہے

جڑی اس سے کئی یادیں سہانی ہے

(سلام لاجپوری)

ہمارے دادا جان کا نام احمد بن اسماعیل مارویا تھا اور دادی اماں کا نام فاطمہ بنت.... دیوان تھا جو ظاہر ہے نکاح کے بعد فاطمہ احمد مارویا ہو چکی تھیں، دادی اماں بھی گاؤں لاجپور کی ہی رہنے والی تھیں، دیوان خاندان سے ان کا تعلق تھا، دادا جان کا پیشہ زمینداری تھا، ان کے گھر چوتھے نمبر پر جو نرینہ اولاد ہوتی ہے وہ اس کا نام تجویز کرتے ہیں ابراہیم جو رشتہ میں احقر کے والد ماجد ہوتے ہیں، والد مرحوم کی پیدائش اسی مکان میں ہوئی تھی، اس مکان سے والد مرحوم کا جذباتی لگاؤ تھا، مکان کی خاطر آپ نے کئی صعوبتیں بھی برداشت کیں، اس لئے مضمون کی ابتداء مکان کے تذکرے سے ہی کرتا ہوں۔

یہ آبائی مکان لاجپور گرام پنچایت کے قریب واقع ہے، محلّہ کا نام اتارا محلّہ ہے

جوگ محلّہ کے نام سے بھی مشہور ہے، محلّہ میں ایک جگہ ہے WELCOME کے نام سے اس سے چند قدم پر ہمارا مکان ہے، ہمارے ایک مکان کو چھوڑ کر جو مکان ہے وہ جگہ وائٹ ہاؤس کے نام سے مشہور ہے، ہوا یوں کہ داڑھی والا فیملی کا مکان جب بن کر تیار ہوا تو گھر کا white pant کیا گیا اس نسبت سے وہ وہائٹ ہاؤس کے نام سے مشہور ہوگیا، یہ جگہ پوستا posta کے نام سے بھی جانی جاتی ہے، ذرا اور پیچھے چلے جائے تو یہ جگہ حکیم جی کے کوڈھارے سے بھی مشہور تھی، آبائی مکان کے بالکل سامنے ایک زمانہ میں جانور کے پانی پینے کی کونڈی بھی تھی جسے ہماری طرف ایرا بولا جاتا ہے، اب اس کو ختم کردیا گیا ہے، گھر سے بالکل قریب ہی ایک زمانہ تک پوسٹ آفس بھی تھی، مکان سے قریب ہی محلے کی مسجد ''مسجد عثمان،، جو نئ مسجد کے نام سے مشہور ہے موجود ہے، نئ مسجد پر سے یاد آیا، ہمارا اصل گاؤں شروع ہوتا ہے گاؤں کی جمعہ مسجد کی طرف سے، جیسے جیسے بستی بڑھتی گئ تو گاؤں بھی بڑا ہوتا گیا اور جہاں ہمارا مکان ہے وہاں تک اور اب تو اس سے بھی آگے تک مکانات تعمیر ہوگئے ہیں بلکہ اب تو گاؤں کا بڑا ہسپتال، مدرسہ اسلامیہ کی کچھ درس گاہیں، مدرسہ صوفیہ، مدرسۃ البنات، انگلش میڈیم اسکول اور دیگر کئ قابل ذکر چیزیں بن چکی ہیں، مکان کے پڑوس میں والد مرحوم کے چچازاد بھائی مرحوم اسماعیل بن سلیمان مارویا کا مکان ہے، دوسرے پڑوس میں منشی خاندان جو طویل عرصہ سے ساؤتھ افریقہ میں مقیم ہے ان کا مکان ہے، ان سے بھی ہماری رشتہ داری

ہے۔

مکان کے بالکل پیچھے جہاں مکان کی حد پوری ہوتی ہے گاؤں کی بڑی عمر یعنی بالغ لڑکیوں کے پڑھنے کا مدرسہ ہے، اس سے قریب ہی ہمارا دو پلاٹ میں بنا ہوا نیا مکان بھی موجود ہے۔

مکان میں دوکان

مکان کے اگلے حصہ میں ایک دالان تھا (جواب نہیں ہے) اسے توڑ کر بھائی احمد بن ابراہیم ماروپا کو بندے نے دوکان بنا کر دی ہے، دکان کا نام ہے" مالویا اسٹور malaviya store بھائی دکان کا مالک نہیں ہے صرف اسے یہ جگہ استعمال کرنے کے لئے دی ہے چونکہ مکان کا لوکیشن بہت اچھا ہے قریب ہی میں اسکول و مدرسہ بھی واقع ہے گاؤں کے لوگوں کی زیادہ تر آمد و رفت بھی ادھر ہی سے ہوتی ہے اس لئے اس کے روزگار کے لئے اس کا رشتہ طے ہو جانے کے بعد اسے وہاں دوکان بنا دی ہے، مالکوں میں بندہ خود بندے کی اہلیہ اور میرے چھ بچے ہیں گھر کے کاغذات میں بھی ان سب کا نام درج ہے، یہ دکان بغیر کسی کرایہ لئے بندے نے صرف استعمال کے لئے دی ہے، مکان کا بقیہ حصہ ایک صاحب کو کرایہ پر دیا ہوا ہے۔

بڑے ابا اور دادی اماں کا ذکر

یہ آبائی گھر ہے اس لئے ظاہر ہے کہ اس میں بندے کے چچا، بڑے ابا اور

پھوپھی کا بھی حصہ تھا، میرے والد سمیت وہ لوگ پانچ بھائی تھے اور دو بہنیں تھی، ایک بہن کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا، بڑے ابا جو بھائی بہنوں میں عمر کے لحاظ سے سب سے بڑے تھے بنام ''محمد ماروِیا،، جو پیشہ سے ماسٹر یعنی اسکول ٹیچر تھے، ان کو ان کا اور دادی اماں کا حصہ والد مرحوم نے اپنی حیات ہی میں ایک خاص واقعہ کی بنا پر دیدیا تھا، اس کا ذکر مکان کے سرکاری کاغذات میں بھی موجود ہے، بڑے ابا پھر لاجپور سے کچھولی منتقل ہو گئے تھے، کچھولی لاجپور سے قریب ایک چھوٹی بستی ہے، بڑے ابا کا قیام کچھولی میں تھا اسی دوران دادی اماں کا انتقال ہو گیا، ان کی تدفین کچھولی کے قبرستان میں عمل میں آئی، نعش کو لاجپور لانے کی کوشش کی گئی مگر اس میں بوجوہ کامیابی نہ ہو سکی۔

سر زمین کچھولی میں ہوئی آخری سفر پر روانہ
بنی وہیں پر ہے ان کی قبر یعنی آخری ٹھکانہ
خدا ان کی بھرپور مغفرت کرے
اور نور سے منور ان کی تربت کرے

دادی اماں کے انتقال کے بعد بڑے ابا یعنی محمد بن احمد ماروِیا ڈابھیل کے پڑوس کی ایک بستی جس کا نام ویسما vesma ہے جس کے متعلق میں کہا کرتا ہوں۔

che aik basti amara desh ma
naam che aenu wesma

وہاں رہائش پذیر ہوگئے تھے، وہاں ان کا اپنا ذاتی مکان ہے، وہاں سے پھر وہ اپنے بیٹوں کے پاس کینیڈا جا کر مقیم ہوگئے تھے.

دیگر چچا اور پھوپھی جان کا ذکر

وارثین میں ان کو چھوڑ کر دوسرے حضرات یعنی میرے دو بڑے ابا، چچا اور ایک پھوپھی برطانیہ میں مقیم تھے، ان کے اسماء اس طرح ہے

(۱) عبد الحئی بن احمد مارویا

(۲) اسماعیل بن احمد مارویا

(۳) یوسف بن احمد مارویا

(۴) رقیہ ابراہیم منگیرا پھوپھا کا آبائی وطن خیر گاؤں ہے، جو شہر نوساری سے قریب واقع ہے، وہاں سے وہ ہجرت کرکے برطانیہ آگئے تھے، ان کی رہائش coventry میں تھی، اخیری زندگی میں یہ معمول بنالیا تھا کہ کچھ عرصہ coventry میں اور کچھ عرصہ لندن اپنے بیٹے، بیٹی کے یہاں آکر رہتے تھے، پھوپھا، پھوپھی دونوں کا انتقال لندن میں ہوا تھا، پہلے پھوپھی کا انتقال ہوا اس کے تین روز بعد پھوپھا کا انتقال ہوا تھا، دونوں کا غسل میت اور نماز جنازہ جہاں بندہ فی الحال امامت وخطابت کے فرائض انجام دے رہا ہے یعنی مسجد قبا 70.72 cazenove road stamfordhill london n16 میں دیا گیا تھا، دونوں کی تدفین waltham forest cemetery london

e17 8qp کے قبرستان میں عمل میں آئی ، پھوپھی جان پھوپھا کی دوسری بیوی تھی پہلی بیوی سے ان کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی، ان کے اسماء اس طرح ہے

(۱) محمد بن ابراہیم منگیرا

(۲) عبدالرحمٰن بن ابراہیم منگیرا

(۳) عبدالعزیز بن ابراہیم منگیرا یہ تینوں حضرات لندن میں مقیم ہے

(۴) ہارون منگیرا کوینٹری میں مقیم ہے

(۵) موسی منگیرا بلیک برن میں مقیم تھے ان کا انتقال ہو چکا ہے، اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی مقام سے نوازے۔ آمین

(۶) فاطمہ شبیر بھاجی

پھوپھی جان کی کوئی حقیقی اولاد نہیں تھی۔

اسماعیل چچا دیوان کا ذکر خیر

دادا جان کا اسم گرامی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک پر احمد تھا، آپ کا نکاح گاؤں لاجپور ہی میں ''دیوان،، فیملی میں ہوا تھا، جس خاتون سے آپ کا نکاح ہوا یعنی ہماری دادی جان سے ان کا نام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیٹی جن کے تعلق سے زبان رسالت نے فرمایا کہ ''فاطمة بضعة منی،، ''فاطمہ،، تھا، اسی بنا پر احقر کے چچا یوسف مارویا کو باٹلی کی اپنے دور کی مشہور شخصیت جنھوں نے قوم اور انسانیت کی بھلائی کے خوب کام کئے جس سے میری

مراد ہے ''اسماعیل دادا دیوان،، جن کا مکان باٹلی میں warwick روڈ پر واقع ہے نے برطانیہ بلایا تھا اور بیٹے کی طرح پالا پوسا تھا، اللہ تعالی ان کو اور ان کی اہلیہ کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے، مرحوم کی اہلیہ ابھی بقید حیات ہے اللہ تعالی بعافیت ان کی عمر میں خوب برکت نصیب فرمائے، آمین

امانتداری

دادا جان زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے مگر والدین سے سنا کہ خوب امانتدار تھے، ان کا ایک قصہ والدین سے بارہا سنا کہ ہمارا جو آبائی مکان ہے اس کے پڑوس میں یعنی ہمارے مکان کی بالکل دیوار سے لگ کر منشی خاندان کا مکان ہے جس میں آج کل کاسوجی فیملی مقیم ہے، وہ حضرات لاجپور سے ہجرت کر کے ساؤتھ افریقہ جا رہے تھے ان سے دادا جان کی رشتہ داری بھی تھی، جاتے ہوئے انہوں نے دادا جان سے کہا کہ آپ سے رشتہ داری بھی ہے اور آپ ہمارے پڑوسی بھی ہو اس لئے ہم آپ کو اپنے مکان کی چابی دے جاتے ہیں آپ مکان کی دیکھ بھال کرتے رہنا، اس پر دادا جان نے فرمایا کہ آپ نے مجھ پر اعتبار کیا اس کا شکریہ مگر زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، یہ مکان میرے پاس آپ کی امانت رہے گا میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد میری اولاد یہ امانت آپ کو واپس لوٹائے نہ لوٹائے کیا معلوم! لہذا بایں وجہ میں اس خدمت سے معذور ہوں یہ کہہ کر چابی ہاتھ میں نہیں لی۔

دادا جان کی کل عمر

دادا جان نے بہت کم عمر پائی تھی تقریباً اڑتالیس (۴۸) سال کی عمر میں وفات پائی، اللہ تعالی مرحوم کی بھرپور مغفرت فرمائے، قبر کو نور سے منور فرمائے، کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے، آپ کی تمام حسنات کو قبول فرمائے، سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں حوض کوثر پر جام کوثر نصیب فرمائے، عرش کے سایہ میں جگہ نصیب فرمائے، بلا حساب کتاب جنت الفردوس میں اعلی مقام سے نوازے، آمین

دادا جان کی کوئی بہن نہیں تھی

دادا جان کی کوئی بہن نہیں تھی، دادا جان کے ایک بھائی تھے بنام سلیمان مارویا جن کا مکان ہمارے آبائی مکان کے پڑوس میں ہے، ان کی کل سات اولادتھیں چھ لڑکیاں اور ایک لڑکا بنام اسماعیل مارویا ان کا بھی کچھ عرصہ پہلے انتقال ہو چکا ہے، اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی مقام سے نوازے، آمین

رشتہ داریاں

لاجپور میں دادی اماں کی طرف سے جس خاندان کو گام حافظ جی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان سے ہماری رشتہ داری ہے، اور دادا جان کی طرف سے گاؤں لاجپور میں ہمارے ایک مکان کو چھوڑ کر ایک فیملی تھی وہ مکان اب بک چکا ہے اور

داڑھی والا فیملی نے خرید کر وہاں شاندار بنگلہ بنایا ہے جو white house کے نام سے مشہور ہے سے رشتہ داری ہے، یہ بالکل قریبی رشتہ داری کا ذکر کیا ہے باقی اس کے علاوہ اور بھی کچھ رشتہ داریاں اور رشتہ دار لاجپور اور اطراف لاجپور میں موجود ہیں۔

داداجان کا انتقال والد مرحوم کے نکاح سے پہلے ہی لاجپور میں ہوگیا تھا، ان کی تدفین لاجپور کے جامع مسجد کے سامنے جو قبرستان واقع ہے وہاں عمل میں آئی، **انا للہ وانا الیہ راجعون، اللھم اغفرلہ وارحمہ وسکنہ فی الجنہ، اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی الجنۃ، اللھم اغفرلہ وارحمہ وروحہ فی الجنۃ الفردوس۔**

محمد مارویا

داداجان کی کل سات اولاد تھیں پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ایک لڑکی بنام عائشہ کا بچپن ہی میں انتقال ہو چکا تھا، باقی چھ اولاد اور ان کی اولاد کا مختصر احوال پیش ہے۔

(۱) بڑے ابا محمد مارویا کا انتقال قصبہ ویسما vesma گجرات، انڈیا میں ہوا اور تدفین بھی وہاں کے قبرستان میں عمل میں آئی، آپ کا نکاح کفلیتہ kapletha میں آدم فیملی میں ہوا تھا، آپ کی کل نو اولاد ہیں پانچ لڑکے چار لڑکیاں

(۱) رشید احمد بن محمد مارویا برطانیہ کے شہر لیسٹر leicester میں مقیم ہے

(۲)مولانا ادریس بن محمد مارویاcanada کے شہر toronto میں مقیم ہے۔

(۳)شوکت علی بن محمد مارویاcanada کے شہر ٹورنٹوtoronto میں مقیم ہے۔

(۴)حافظ لیاقت علی بن محمد مارویاcanada کے شہر ٹورنٹوtoronto میں مقیم ہے۔

(۵)الیاس بن محمد مارویاsouthafrica میں مقیم ہے۔

(۶)چار لڑکیوں میں سے دو برطانیہ ایک کینیڈا اور ایک ویسما انڈیا میں مقیم ہے

(۷)بڑی اماں بھی اپنے بیٹوں کے ہمراہ کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں مقیم ہے۔

عبدالحئ مارویا

(۲)عبدالحئ مارویا آپ نے اول انڈیا سے nicobar کا سفر کیا وہاں سے برطانیہ تشریف لائے، نکاح کے بعد آپ نے برطانیہ میں سکونت اختیار کرلی تھی، اول batley میں مقیم رہے بعدہ preston منتقل ہوگئے تھے، وہیں کے ایک قبرستان میں مدفون ہے بڑی اماں کا آبائی وطن بربودن، گجرات، انڈیا تھا آپ کا بھی انتقال ہوچکا ہے، مرحومہ بھی preston کے اسی قبرستان میں آرام فرما ہیں جہاں بڑے ابا کی قبر ہے، آپ لاولد تھے (کوئی اولاد نہیں تھی)۔

اسماعیل مارویا

(۳)اسماعیل بن احمد مارویا آپ انڈیا سے ہجرت کرکے برطانیہ کے شہر

leicesterمیں مقیم ہو گئے تھے لیسٹر میں ہی آپ کا انتقال بھی ہوا وہیں کے ایک قبرستان میں تدفین بھی عمل میں آئی، بڑی اماں کا وطن لاجپور ہے، وکھاریہ فیملی سے ہے، لیسٹر میں مقیم ہے، آپ کی کل اولاد گیارہ ہیں پانچ لڑکے اور چھ لڑکیاں

(۱)احمد بن اسماعیل ماروِیا

(۲)عبدالرحمٰن بن احمد ماروِیا

(۳)بلال بن احمد ماروِیا

(۴)سلیمان بن احمد ماروِیا

(۵)زکریا بن احمد ماروِیا یہ تمام لیسٹر میں مقیم ہے

(۶)چھ لڑکیوں میں سے تین لڑکیاں لیسٹر شہر میں دو لڑکیاںpreston میں اور ایک لڑکی لندن میں مقیم ہے۔

یوسف ماروِیا

(۴)یوسف بن احمد ماروِیا بہت چھوٹی عمر میں برطانیہ آ گئے تھے، اول باٹلی شہر میں مقیم رہے بعدہ preston منتقل ہو گئے تھے، فی الحالprestonہی میں مقیم ہے، آپ کا نکاح لاجپور میں گارڈا فیملی میں ہوا تھا، آپ کی تین اولاد ہے تینوں لڑکے ہیں ان کے اسماء اس طرح ہے

(۱)بشیر احمد

(۲)محمد

(۴)مولانا عثمان بھی prestonمیں مقیم ہے۔

پھوپھی جان

(۵)رقیہ ابراہیم منگیرا آپ کا نکاح گاؤں خیر گاؤں میں ابراہیم منگیرا کے ساتھ ہوا تھا جو یو،کے کے شہر coventry میں مقیم تھے،پھوپھی جان کی کوئی حقیقی اولادنہیں تھی،آپ کی قبرلندن میں ہے۔

والدمرحوم

(۶)والدمرحوم ابراہیم بن احمد ماروِیا ہم کل سات بھائی بہن ہیں جن میں سے ایک بھائی اسماعیل کا بچپن میں انتقال ہوگیا تھا،چھ بھائی بہن میں سے بندہ اور ایک بہن لندن میں مقیم ہے،ایک بہن wallsal کے پڑوس کی بستی darleston میں مقیم ہے،ایک بہن ویسٹ اینڈیز(بارباڈوس)میں مقیم ہے،اور بھائی احمداور ایک بہن گاؤں لاجپور میں مقیم ہے۔

نوٹ۔ہماری سرنیم ماروِیا marvia ہے مگر گاؤں میں ہم مشہور ماسٹر master سے ہے،اور ماروِیا سرنیم دوطرح لکھنے کا رواج رہاہے بعض حضرات ''ماروِیاmarvia اور بعض ''مالویا،،malaviya لکھتے ہیں۔

تقسیم

آبائی مکان جس میں بھائی احمد بن ابراہیم ماروِیا نے malaviya store کے نام سے دکان کھول رکھی ہے،اس گھر کی تقسیم کیسے ہوئی اس کا کچھ مختصر

احوال، والد مرحوم کا انتقال ۲۴ جون ۲۰۰۰ء میں ہوا تھا، اور بندے کی برطانیہ آمد ۲۱ مارچ ۲۰۰۳ء میں ہوئی، برطانیہ آمد کے کچھ عرصہ بعد میں نے کوشش کی کہ ہمارا جو آبائی مکان ہے یا تو اسے نئے سرے سے تعمیر کیا جائے جس میں سب وارثین یکساں طور پر حصہ لے، یا پھر کوئی ایک وارث اسے خریدنا چاہے تو خرید لے، اس وقت میری والدہ انڈیا سے یو، کے تشریف لائی ہوئی تھیں، وارثین میں تین چچا اور ہماری طرف سے والدہ تھیں، بڑے ابا محمد مارویا اور دادی اماں فاطمہ مارویا کو ان کا حصہ والد مرحوم اپنی حیات میں دے چکے تھے، اور پھوپھی جان کا انتقال ہو چکا تھا، کوشش کی کہ والدہ کی موجودگی میں اس کا کوئی حل نکلے مگر یہ کوشش بار آور نہ ہوئی، یہ 2007ء کی بات ہے، گھر کو مرمت کرانے کی سخت ضرورت تھی، بارش کے موسم میں کچن میں زمین سے پانی نکلتا تھا جس کو ہماری طرف جڑنا پھوٹنا بولتے ہیں اور چھت بھی ٹپکتی تھی جس سے والدہ کو پریشانی ہوتی تھی۔

دیرینہ خواہش کی تکمیل

تو جس کو کہہ رہا ہے پرانا لگا مجھے
یہ گھر خریدنے میں زمانہ لگا مجھے

پھر دوبارہ 2014ء میں ٹھیک ویسی ہی کوشش کی گئی جیسے پہلے کی گئی تھی اس مرتبہ اس میں کامیابی ملی، مگر اب کہ ہمارے درمیان بڑے ابا جناب عبدالحئی مارویا جن کی رہائش preston میں تھی وہ موجود نہیں تھے ان کا انتقال ہو چکا تھا، آبائی

مکان کی تقسیم کی میٹنگ preston میں یوسف چچا مارویا کے مکان 13 linnet street preston میں ہوئی، meeting میں بندہ خود بڑے ابا اسماعیل مارویا جو لیسٹر سے تشریف لائے تھے اور یوسف چچا مارویا موجود تھے، مکان کی قیمت انڈین کرنسی میں پچیس لاکھ روپیہ 250000.00 مقرر کی گئی تھی، کس کے حصہ میں شرعی طور پر کتنا حصہ آئے گا یہ مسئلہ میں نے دوجگہ یعنی انڈیا اور برطانیہ سے پوچھ رکھا تھا انڈیا سے ہمارے گاؤں لاجپور کے مفتی صاحب حضرت مولانا رشید احمد صاحب کتھرادا المعروف بہ بھائی میاں سے اور برطانیہ میں میرے خسر حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب دامت برکاتہم سے جن کا قیام بلیک برن میں ہے، دوجگہ سے مسئلہ اس لئے پوچھا تھا کہ اگر وہ یہ کہے کہ ہم انگلینڈ میں رہتے ہیں لہذا یہاں کے کسی مفتی صاحب کا فتوی ہونا چاہئے تو پھر دوبارہ meeting نہ کرنا پڑے میں نے دوجگہ سے مسئلہ پوچھا تھا، یہ مکان میں نے پچیس لاکھ روپیہ (انڈین کرنسی) میں خریدا تھا، اسی مجلس میں میں نے بڑے ابا اسماعیل مارویا، یوسف چچا مارویا اور بڑے ابا عبدالحئی مارویا کی اہلیہ یعنی میری بڑی اماں کو ان کے حصہ کی رقم کی ادائیگی پاؤنڈ کی صورت میں کردی تھی، اس وقت ایک پاؤنڈ کی قیمت انڈین کرنسی میں سو روپیہ تھی، اس کے بعد پھوپھی جان رقیہ منگیرا کے وارثین سے رابطہ کیا کہ تمہارا ہمارے آبائی مکان میں اتنا اتنا حصہ لگتا ہے، پھوپھی جان کے تمام سوتیلے بیٹوں نے جو کچھ ان کے حصہ میں آتا تھا وہ حصہ نہیں لیا بلکہ پھوپھی کی طرف سے

ایصال ثواب کر دیا،مجلس میں ایک بات یہ آئی کہ دادی اماں کے حصہ کا کیا بنے گا ، بندے نے عرض کیا کہ والد مرحوم نے دادی اماں کا حصہ انہیں ان کی حیات ہی میں دیدیا تھا اس پر بڑے ابا اور چچا جان نے کہا کہ وہ سب تو بڑے ابا محمد نے لے لیا تھا ہمیں تو اس میں سے کچھ بھی نہیں ملا، اس پر میں نے انہیں وہ رقم بھی ادا کر دی، ان سب کو رقم ادا کرنے کے بعد میں نے والد مرحوم کا جو حصہ بنتا تھا اس میں سے والدہ اور بہنوں کا جو حصہ تھا وہ ان کو بھی ادا کر دیا، بھائی احمد کو میں نے اس کے حصہ کی رقم جو ایک لاکھ اسی ہزار بنتی تھی اس میں مزید سات لاکھ پچانوے ہزار میں نے اپنی طرف سے ملا کر جو بھائی کے لئے ہدیہ تھا اسے ہمارے نئے مکان کے پیچھے جو بنات کا مدرسہ ہے اس سے لگ کر دو پلاٹ خرید کر دیدیئے جس کی کل مالیت اس وقت نو لاکھ پچھتر ہزار تھی، دستاویز اس کے نام سے بنا کر اس کے حوالے کر دیئے، اس طرح اب جو آبائی مکان ہے یعنی ابراہیم منزل اس کا مالک احقر بندے کی اہلیہ اور میری چھ اولاد ہے، بوجوہ میری دیرینہ تمنا تھی کہ اللہ تعالی اس مکان کا مجھے مالک بنا دے، ایک عرصہ سے یہ دعا بندے کی زبان پر رہتی تھی ،اللہ تعالی نے اپنے فضل سے یہ امید پوری کی۔

یوں پرکھوں کی زمین بیچ کر نہ جایا کرو
کب چھوڑنا پڑ جائے شہر گاؤں میں بھی گھر بنایا کرو

اصلاً تو ہر چیز کا مالک اللہ تعالی ہی ہے مگر اسی نے ہمیں یہ اجازت دی ہے کہ ہم

عارضی طور پر اپنی نسبت کچھ چیزوں کی طرف کر سکتے ہیں اس لئے یہ لکھا کہ اب میں اور میری فیملی اس مکان کی مالک ہے، باقی اکبر مرحوم نے صحیح کہا ہے ۔

کالج میں ہوچکا جب امتحاں ہمارا
سیکھا زباں نے کہنا ہندوستاں ہمارا
رقیبے کو کم سمجھ کر اقبال بول اٹھے
ہندوستاں کیسا سارا جہاں ہمارا
لیکن یہ سب غلط ہے کہنا یہی ہے لازم
جو کچھ ہے سب خدا کا وہم و گماں ہمارا

ہم نے تو چمن کو اپنے پسینے سے سجایا ہے
حالت فقر میں بھی اسے ہم نے بچایا ہے
اپنے عیش کی خاطر تم اسے بیچ نہ دینا
بڑی محنت سے ہم نے یہ سب کمایا ہے

زمین

سائے میں بیٹھی ہوئی نسل کو معلوم نہیں
دھوپ کی نذر ہوئے زمین بچانے والے

کھیتی کی زمین قدرتی سرمایہ ہے اور انسان کی روزگار کا ایک اہم ذریعہ بھی، زمین جب اپنی ملکیت میں ہو اس وقت بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور دیتی ہے، اور مالک جب اسے کسی مجبوری میں فروخت کرنا چاہے تو عام طور پر اس وقت بھی وہ وفاداری کا ہی ثبوت دیتی ہے یعنی وہ اپنے مالک کو فائدہ ہی پہنچاتی ہے بلکہ بعض زمین تو سونے کے دام بکتی ہے، ہمارے بڑے بوڑھے جب تک اشد ضرورت نہ ہو کھیتی کی زمین بیچتے نہیں تھے، بڑے بوڑھے کہا کرتے تھے کہ زمین تو وساووانی ہوئے وچوانی نا ہوئے یعنی زمین لینے کی چیز ہوتی ہے بیچنے کی نہیں، اس لئے کہ پیسے تو ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتے ہیں وہ دیر تک ساتھ نہیں نبھاتے (تاریخ نے دکھایا کہ بادشاہوں اور نوابوں کی اولاد کو بھی بھیک مانگنے پر مجبور ہونا پڑا ہے چونکہ انہوں نے اپنے باپ دادا کے گروہر کو سنبھال کر نہیں رکھا ناقدروں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے، تاریخ اس پر شاہد ہے) مگر زمین دیرینہ سفر کی ساتھی ہوتی ہے، جو لوگ بلا ضرورت زمین کو اچھی قیمت ملنے پر فروخت کر دیا کرتے ہیں اور اس رقم سے کوئی ذریعہ آمدن بھی نہیں کرتے ان کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے vinga vechi ne jenga khai lidha عرض کرنے کا منشاء یہ ہے

کہ زمین بڑی کارآمد چیز ہے، ہمارے پرکھوں نے بھوک برداشت کی، روکھا سوکھا کھا کر زندگی بسر کی، پھٹا پرانا ملبوس پہن کر گذارا کیا مگر زمین کو نہیں بیچا، آج یہ ملک کل وہ ملک آج یہاں کی تفریح کل وہاں کی تفریح اس طرح کا معاملہ زمین بیچ کر انہوں نے روا نہیں رکھا وہ اپنے گاؤں سے دور کہیں گھومنے نہیں گئے مگر ان کی نگاہیں بڑی دوررس تھی، اس لئے انہوں نے زمین کو نہیں بیچا، زمین بیچ کر انہوں نے بڑے بڑے بنگلے اور حویلیاں نہیں بنائی، ہاں! ضرورت کا مکان بنایا، زمین کو بیچ کر زیادہ آسائش اور آرام دہ زندگی کے بجائے زمین کو اپنی ملکیت میں رکھنے کو ترجیح دی، اور اس زمین کو اپنی اولاد کو وراثت میں دے کر گئے جس پر کئی پشتیں پلتی اور پھلتی پھولتی رہی، مگر ہائے افسوس! بعد والوں نے باپ دادا اور پرکھوں کی اس روایت کو باقی نہیں رکھا، کچھ لوگوں نے آج سے تقریباً پینتیس چالیس سال پہلے جب سورت کے ایک تاجر اور بزنس مین نام تو ان کا معلوم نہیں سرنیم یاد ہے ہو.جی والا hojiwalaاس نے اس وقت زمین کی جو قیمت اور ویلو ہوتی تھی اس سے کچھ زیادہ رقم کی لالچ دی اس میں کئی لوگوں نے پیسے کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی لالچ میں آکر اپنی قیمتی زمین بیچ فروخت کر دی، لالچ کا یہ بہاؤ ہماری پرکھوں کی زمین کو بھی اپنے بہاؤ میں بہا لے گیا، والد مرحوم کو اس بات کا پتہ بہت بعد میں چلا تب تک چڑیا کھیت چگ چکی تھی، اس طرح سونے کی زمین ہو.جی والا نے پانی کے بھاؤ (قیمت) میں خرید لی، آج بھی ہو.جی والا کے زمین کی خرید وفروخت کا سلسلہ

جاری ہے اور جو غلطی پینتیس چالیس سال پہلے کچھ لوگوں نے کی تھی وہی غلطی آج بھی کرنے والے کر رہے ہیں اور مسلسل کرتے چلے جا رہے ہیں، اللہ کرے ایسا کچھ نہ ہو مگر پتہ نہیں کیوں مجھے اس کے کچھ اچھے اور بھلے آثار معلوم نہیں ہو رہے، وقت چند سالوں بعد کہیں یہ وقت نہ دکھائے کہ جن کے باپ دادا نے جو زمین بیچی تھی اسی زمین پر بنے کارخانے اور میل میں ان کے پوتے، پر پوتے مزدوری کر رہے ہو(بحالت مجبوری) خیر، ہماری زمین تو اس طرح آج سے تقریباً پینتیس چالیس سال پہلے بک گئی تھی، اب ہمارے پاس پرکھوں کی کوئی زمین بچی نہیں ہے، ہاں میرے والد کے چچازاد بھائی جن کی رہائش ہمارے پڑوس میں ہے نے اپنی زمین نہیں بیچی تھی ان کی زمین آج بھی دوسرے الفاظ میں پرکھوں کی نشانی باقی ہے، آج وہ اس کا فائدہ کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں، پرکھوں کی امانت کو سنبھال کر رکھنا کبھی ضائع نہیں جاتا، واقعی اولڈ از گولڈ کہاوت اس پر لاگو ہوسکتی ہے، اللہ تعالی کے فضل وکرم سے بندے نے گاؤں اور پڑوس کی بستی میں کچھ زمینیں پلاٹ اور فلاٹ کی صورت میں خرید رکھی ہے، یہ تو اب وقت ہی بتائے گا کہ میری ذریت اس کا کیا حشر کرتی ہے۔

ہم نے تو چمن کو اپنے پسینے سے سجایا ہے
حالت فقر میں بھی اسے ہم نے بچایا ہے

کہہ رہی ہے نوعِ انسانی سے یہ صبحِ ازل
باپ کے رشتے کا کوئی بھی نہیں نعم البدل
زندگی کی دھوپ میں ہے اک شجر سایہ دار
اک پناہ گاہ محبت اک حصار پائدار
عمر بھر جہد مسلسل اپنے بچوں کے لئے
لمحہ لمحہ سو جتن مطلوب خوشیوں کے لئے
باپ کے احسان کی مقروض ہے ساری زندگی
تلخیاں سہہ کر نکھاری ہے اس نے ہماری زندگی
خود الجھ کر مشکلوں سے دیں ہمیں آسانیاں
ہر قدم ہر موڑ پہ ہیں ان گنت قربانیاں

والدین

انسان کو ملنے والی ہر چیز خدا کی دین ہے
ان میں اہم نعمت نعمت والدین ہے

(سلام لاجپوری)

زندگی میں دوطرح کی چیزیں ہوتی ہیں (۱) کسبی جسے انسان اپنے ہنراورکوشش ومحنت سے حاصل کرسکتا ہے (۲) وہبی یعنی اس کا انتخاب بندے کے لئے خالق کائنات نے خود کیا ہوتا ہے اسے کسب اور محنت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا ان ہی میں سے ایک چیز ہے ''والدین۔

والدین کے اولاد پر اتنے احسانات ہوتے ہیں کہ کوئی بھی اولاد اس احسان کا حق ادانہیں کرسکتی۔

ہو چاہے آدمی کتنا ہی مالدار پر ادا ہونہیں سکتا
ماں باپ کا حق تو سلام کبھی ادا ہونہیں سکتا

(سلام لاجپوری)

کسی نے کیا خوب لکھا ہے کہ دنیا کے بازار سے آدمی بہت کچھ خرید سکتا ہے اگرنہیں خرید سکتا ہے تو وہ ہے ''والدین،، ان کی محبت ان کا پیار۔

محبت والدین

دنیامیں ہرمحبت کے بدلے کچھ نہ کچھ بھگتان کرنا پڑتا ہے صرف ایک ہی محبت

ایسی ہے جس کے لئے کچھ بھگتان نہیں کرنا پڑتا وہ ہے ''والدین کی اپنی اولاد سے محبت،، اگر دنیا میں کوئی بے غرض محبت ہے تو وہ والدین کی محبت ہے۔

ہر محبت کے بدلے کچھ دینا ہوتا ہے
کبھی روپیہ پیسہ تو کبھی سونا ہوتا ہے
صرف ماں باپ کی محبت فری میں ملتی ہے
اور وہ ہر دم ہر وقت ہر گھڑی ملتی ہے

(سلام لاجپوری)

بس ماں باپ نہیں ملتے

دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جسے کھو کر پھر حاصل کیا جا سکتا ہے، مگر والدین ایسی دولت ہے جسے کھو کر پھر دوبارہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

سب کچھ مل جاتا ہے دنیا میں مگر
یاد رکھنا کہ بس ماں باپ نہیں ملتے
مرجھا کر جو گر جائیں اک بار ڈالی سے
یہ ایسے پھول ہیں جو پھر نہیں کھلتے (منظر بھوپالی)

آنکھوں کے بادل سے برسنے والا مینہ

ہر دم رلاتا والد کا غم ہے
کہاں ہوا وہ آج بھی کم ہے
نہ پوچھو والد کی رحلت پر میں کتنا رویا
کئی راتیں تو میں بخدا بالکل بھی نہیں سویا

(سلام لاجپوری)

برصغیر پاک وہند میں سال میں چار موسم weather ہوتے ہیں، موسم سرما، موسم گرما، موسم خزاں اور موسم باراں موسم سرما میں ٹھنڈی کا قہر ہوتا ہے جس سے بدن لرزتا اور کانپتا ہے، موسم گرما میں خوب گرمی پڑتی ہے جس سے بدن سے پسینہ بہتا ہے، موسم خزاں میں درخت اپنی زینت ترک کرکے موسم بہار کا سوگ مناتے ہیں، اور بارش کے موسم میں آسمان خوب پانی برساتا ہے جس سے کسان سکھ کا سانس لیتا ہے، جون کا مہینہ انڈیا میں ویسے تو گرمی کا مہینہ کہلاتا ہے مگر میرے اور میرے خاندان کے لئے جون کا ایک مہینہ ایسا بھی آیا ہے جس میں ہماری آنکھوں کے بادل سے موسلا دھار مینہ برسا ہے، اس کی ترجمانی میں نے یوں کی ہے ؎

تلافی اس عالم میں ممکن نہیں

یہ دن ایک ایسا صدمہ دے گیا
جو زندگی بھر دل میں گھر کر گیا

والد کا چلے جانا قیامت سے کم نہیں ہوتا
یہ ایسا غم ہے جو کبھی کم نہیں ہوتا
زندگی گذر تو جاتی ہے ان کے بعد بھی سلام
مگر یادوں کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا

(سلام لاجپوری)

جون کی ۲۴ تاریخ تھی سال تھا ۲۰۰۰ء یعنی آج سے تقریباً ۲۳ سال پہلے کی بات ہے، وہ دن مجھے زندگی بھر کا ایک ایسا صدمہ دے گیا جس کی تلافی اس عالم میں ممکن ہی نہیں، اس دن سے میری آنکھوں سے پانی کا جو چشمہ جاری ہوا ہے اس میں ابھی تک خشکی نہیں آئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ میری آخری سانس تک یہ جاری ہی رہے گا، ۲۴ جون ۲۰۰۰ء کو ظہر کی نماز سے پہلے بوقت زوال میری اور ہمارے گھر والوں کی زندگی کا سورج (والد مرحوم) جس میں حدت کم برودت زیادہ تھی، ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہو گیا۔

خوشی ہے بیٹوں کی جب تک پدر سلامت ہے
پدر کا چھوٹنا بیٹوں سے اک قیامت ہے
کہہ رہی ہے نوع انسانی سے یہ صبح ازل
باپ کے رشتے کا نہیں کوئی بھی نعم البدل

خوبصورت پل

وہ اکثر خواب میں آ کر مرے حال پہ روتا ہے

زیرِ خاک بھی ان کی پریشانی نہیں جاتی

اب ان سے اس عالم فانی میں ملاقات نہیں ہوسکتی، ہاں! کبھی کبھی خواب میں زیارت ہو جاتی ہے اور وہ پل میری زندگی کا سب سے خوبصورت پل ہوتا ہے، جس کا لطف میں کئی دنوں تک محسوس کرتا رہتا ہوں۔

والد کم نہ تھے ماں سے

والد مرحوم کا جو مزاج تھا اس پر کسی شاعر کے یہ اشعار بالکل فٹ بیٹھتے ہیں۔

عزیز تر وہ ہمیں رکھتا تھا رگ جاں سے

یہ بات سچ ہے والد کم نہ تھے ماں سے

جڑی تھی ان کی ہر اک ہاں فقط ہماری ہاں سے

یہ بات سچ ہے والد کم نہ تھے ماں سے

ہر اک درد وہ چپ چاپ خود پہ سہتا تھا

وجود اس کا پسینہ میں ڈھل کر بہتا تھا

پرانا سوٹ پہنتا تھا کم وہ کھاتا تھا

مگر کھلونے ہمارے سب وہ خرید کے لاتا تھا

وہ ہمیں سوئے ہوئے دیکھتا رہتا تھا جی بھر کے

نجانے کیا کیا سوچ کر وہ مسکراتا رہتا تھا

ہمارے بغیر تھے سب خواب ان کے ویران سے

یہ بات سچ ہے کہ والد کم نہ تھے ماں سے

ان کے غم نہیں جاتے

ہر اولاد کے لئے ماں ایک امید اور باپ ایک سہارا ہوتا ہے، جب وہ دنیا سے چلے جاتے ہیں تو کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ۔

ماں باپ تو چلے جاتے ہیں مگر

ان کے غم دل سے نہیں جاتے

کچھ خواب تھے ہمارے جو سپرد خاک کر دیئے ہم نے

والد ماجد بہت چھوٹی عمر میں ہمیں چھوڑ کر مالک حقیقی سے جا ملے تھے، ان کے چلے جانے کی وجہ سے ۔

کچھ خواب تھے ہمارے

جو سپرد خاک کر دیئے تھے ہم نے

آخری منظر جو بھلایا نہیں جا سکتا

جس دن والد ماجد نے اس دنیائے فانی میں آخری سانس لی تھی، ان کے آخری سفر کی یادیں بطور خاص میری زندگی کے ہر ایک سانس کا حصہ بن گئی

ہے، میں اس دن سے آج تک اور زندگی کے آخری سانس تک اس منظر کو بھولا نہیں پاؤں گا، میں اپنی زندگی میں جس کسی ایک چیز کی کمی ہر وقت، ہر پل، ہر گھڑی شدت سے محسوس کرتا ہوں وہ ہے میرے والد کا ساتھ، آج بھی میرا حال یہ ہے کہ ؎

ارادہ جب ان کی زیارت کا کرتے ہیں

آنکھ پر پانی سے آئینے وضو کرتے ہیں

ایک آئینہ میں دونوں تصویر دیکھ لیتا ہوں

دنیا کا ہر انسان اپنے ماں باپ سے ٹوٹ کر اٹوٹ محبت کرتا ہے اور کرنا ہی چاہئے، مجھے شروع سے اپنے والد سے خوب لگاؤ رہا ہے، جب اللہ تعالی نے مجھے اولاد جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی تو میں نے اپنی ہم سفر اور شریک حیات سے مشورہ کر کے بچے کا نام والد ماجد کے نام پر ''ابراہیم،، تجویز کیا مگر وہ بہت جلد ہمیں چھوڑ کر اپنے پیارے دادا جان سے جاملا، شاید وہ ہم سے زیادہ اپنے پیارے دادا جان سے محبت کرتا تھا، اس کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالی نے پھر بیٹا عطا فرمایا ہم نے اس کا نام بھی والد ماجد کے نام پر ''ابراہیم،، ہی تجویز کیا، اس طرح میں جس احساس کو اندر ہی اندر جی رہا تھا اب اسے ایک شکل مل گئی ہے، اب جب بھی میری نظر بیٹے کے چہرے پر پڑتی ہے تو مجھے اس میں اپنے والد کا عکس دکھائی دیتا ہے، یہ خدا کا کتنا کرم ہے مجھ پر کہ جب بھی میں بیٹے کا چہرہ دیکھتا ہوں اس میں مجھے والد کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔

والد کی دعا کا اثر لگتا ہے

والد ماجد کو کینسر کا مرض لاحق ہو گیا تھا، جب آپ کینسر کے مریض ہو گئے تو اس وقت اللہ تعالی نے ان کی خدمت کا ہم گھر والوں کو جو موقع دیا اس سے خوش ہو کر والد ماجد نے ہمیں خوب دعاؤں سے نوازا تھا، دعاؤں سے ہماری جھولی بھر دی تھیں، وہ دعائیں ہمارے لئے اس فانی زندگی میں متاع بے بدل اور آخرت کا عظیم سرمایہ ہے، یہ والد مرحوم کی دعائیں ہی ہے (بشمول والدہ) کہ میری زندگی کی گاڑی اپنے سفر پر صحیح سمت میں بعافیت رواں دواں ہے اور زندگی کا یہ سفر مشکل ہوتے ہوئے بھی آسان لگنے لگتا ہے ۔

مشکل راہوں میں بھی بالکل آسان سا سفر لگتا ہے

یہ کچھ اور نہیں میرے والد کی دعا کا اثر لگتا ہے

سب کچھ مل جاتا ہے دنیا میں مگر..........

جن کے ماں باپ دونوں یا کوئی ایک حیات ہے ان کا ہر طرح سے خوب خیال رکھے، یہ ایسی نعمت ہے جو ایک مرتبہ چلی جاتی ہے پھر دوبارہ ہاتھ نہیں لگتی ۔

سب کچھ مل جاتا ہے دنیا میں مگر

یاد رکھنا کہ بس ماں باپ نہیں ملتے

مرجھا کر جو گر جائیں اک بار ڈالی سے

یہ ایسے پھول ہیں جو پھر نہیں کھلتے

درد کبھی نہ دینا ان مبارک ہستیوں کو

ماں بچپن میں پلاتی بچے کو اپنا دودھ ہے
اسے سلانے کی خاطر رات بھر جاگتی خود ہے
جو اولاد ماں کی قدر نہ پہچانے سلام
نگاہ الٰہی میں وہ مردود ہے

(سلام لاجپوری)

جب ہم چھوٹے تھے ماں باپ نے اپنی نیند قربان کر کے ہمیں سلایا، خود کے آنسو گرا کے ہم کو ہنسایا اب وہ ہم سے ان ہی باتوں کی امید لگائے بیٹھے ہوتے ہیں گر چہ وہ زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتے ،اس لئے اس نعمت عظمیٰ کی خوب قدر کیجئے۔

عزت بھی ملے گی دولت بھی ملے گی
سیوا کرو ماں باپ کی جنت بھی ملے گی

ان کی دعاؤں سے اپنا دامن بھر لیجئے ، یہ زندگی کے ہر موڑ پہ کام آئے گی، کوئی ایسا کام نہ کیجئے جس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچے اور اگر وہ دنیا سے چلے گئے ہیں تو ان کی روح کو صدمہ پہنچے، ان کو کبھی درد نہ دیجئے گا۔

بھلا کے نیند اپنی سلایا ہم کو
گرا کے آنسو اپنے ہنسایا ہم کو

درد کبھی نہ دینا ان ہستیوں کو
خدا نے ماں باپ بنایا جن کو

صبح کا معمول

والد مرحوم کا معمول تھا کہ صبح فجر کی نماز سے کچھ دیر پہلے بیدار ہو جاتے تھے، استنجاء اور وضو سے فارغ ہو کر سب سے پہلا کام چائے نوشی ہوتا تھا، بعدہ محلّہ کی مسجد میں تشریف لے جاتے، مسجد جا کر مسجد کے صحن میں دو رکعت نماز سنت ادا فرماتے، فرض نماز باجماعت ادا کر کے گھر تشریف لاتے، گھر کے سٹینگ روم میں جس کو ہماری طرف آ گلو کھنڈ بولتے ہیں اس میں دائیں طرف کی کھڑکی جس کو ہماری طرف باری بولتے ہیں بیڈ (پلنگ) تھا اس پر بیٹھ کر روزانہ پنج سورہ کی تلاوت کرتے تھے، معمول پورا کر کے پھر چائے نوش فرماتے۔

کوئی چائے دے اور میں انکار کردوں
ہو نہیں سکتا میں کسی پر یہ احسان کردوں

چائے کے ایک کپ پر تکرار رہنے دیجئے
پی لیجئے یا بانٹ لیجئے انکار رہنے دیجئے

بس میری طلب چائے کی ایک پیالی ہے
ہم سا بھی کہاں کب کوئی سوالی ہے

چائے میری زندگی میں لازم ہے ایسے
پھول کے لئے خوشبو لازم ہے جیسے

چائے

سبھی سسکیوں کی ہائے لایا ہوں
اہل غم بیٹھو میں چائے لایا ہوں
دل کو بہلانے کے لئے کچھ تو چاہئے
چاہ نہ سہی تو چائے ہی سہی

کوک پینے والی عوام کو کیا معلوم
چائے پینا پلانا پرکھوں کی روایت ہے

آپ کی عادت تھی کہ روزانہ دودھ کی کچھ مقدار زائد از ضرورت گھر میں رکھتے تھے، مقصد یہ ہوتا تھا کہ جان پہچان والا یا کوئی مہمان گھر آئے تو ان کے لئے اس دودھ سے چائے پکائی جائے، ویسے آپ کے تین چار دوست ایسے تھے جو تقریباً روزانہ آپ سے ملنے آتے تھے، والد مرحوم ان کی چائے سے تواضع فرماتے کبھی والدہ گھر پر نہ ہوئی تو خود چائے پکا کر ان کو پلاتے تھے۔

دوشوق

والد مرحوم کی زندگی کے دو ہی شوق تھے(ا)smoking، لال دھاگے والی موٹی سائز کی بیڑی پیتے تھے، آپ کے smock کا انداز منفرد تھا، دو انگلی سے بیڑی کو تھامتے پھر مٹھی بناتے جس کو ہماری طرف گُسا (جب غصہ آئے تب یہ

صورت اختیار کی جاتی ہے اس لئے شاید اسے گُسا (غصہ) کہتے ہیں) اور خوب مزے لے لے کر کش لگاتے تھے، درمیان میں کچھ دھواں ناک سے بھی چھوڑتے تھے۔

چائے کے شوقین ہی نہیں عاشق تھے

بس طلب چائے کی پیالی ہے
ہم سا بھی کب کوئی سوالی ہے

(۲) چائے نوشی کا شوق، چائے کے صرف شوقین ہی نہیں بلکہ عاشق تھے، خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ کی اصطلاح میں والد مرحوم ''ٹی پارٹی،، کے آدمی تھے، خطیب الامتؒ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت! آپ کا تعلق کس پارٹی سے ہے مطلب یہ تھا کہ سیاسی طور پر آپ کس پارٹی کے سپوٹر ہے، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ میں ''ٹی پارٹی،، سے ہوں۔

حضرت خطیب الامتؒ بھی چائے کے خوب شوقین تھے، فرماتے تھے کہ چائے تو وہی ہے جس میں چار وصف پائے جائیں (۱) لب سوز ہو (۲) لب ریز ہو (۳) لب دوز ہو (۴) اور ہر روز ہو اس میں احقر کا اضافہ ہے کہ اور دن میں اس کے کئی ڈوز ہو۔

سیاہ چائے

الغرض! والد مرحوم کو بھی چائے بہت پسند تھی، دن میں کئی پیالی چائے پی

جاتے تھے،کبھی والد مرحوم والدہ سے چائے پکانے کو کہتے وہ جواب میں فرماتی کہ دودھ ختم ہوگیا ہے،تو والد صاحب فرماتے کہ کالی (بغیر دودھ کی) بھی چلے گی، نیز فرماتے کہ کالی ہے تو کیا ہوا دل والی ہے،کبھی ہم بھائی بہنوں میں سے کسی سے کہتے کہ تمہاری امی سے کہو کہ ’’ٹی،، بنائے، چائے کی بجائے عام طور پر آپ tea کا لفظ استعمال کرتے تھے۔

شام کی چائے کا اک کپ لازمی ہے

چائے کی ایسی عادت تھی کہ گرمی کے موسم میں بھی ۔

گرمی چاہے جتنی بھی ہو
شام کی چائے کا اک کپ لازمی تھا

والد مرحوم کی یہ عادت بندے کو بھی ورثہ میں ملی ہے، میں بھی موسم گرما میں چائے پینے کا عادی ہوں ،فرق صرف اتنا ہے کہ والد مرحوم indian ٹی نوش فرماتے تھے،اب مجھ پر انگلستان کا اثر کہہ لیجئے یا کچھ اور میں اب indian چائے کوئی بنا کر پیش کرے تو پی تو لیتا ہوں لیکن اگر کوئی مجھ سے پوچھتا ہے کہ کونسی چائے پیئے گا انڈین یا انگلش یعنی میری چاہت معلوم کی جائے تو میں انگلش ٹی پسند کرتا ہوں ، انگلش ٹی کی عادت اس طرح ہوئی کہ میرے بہت ہی عزیز جناب موسی بھائی بھابھی کے گھر جانا ہوتا تھا وہ انگلش چائے پکا کر پلاتے تھے وہاں سے ۔

کمبخت چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ ٹی لگی ہوئی۔

غم سے وابستہ ہے ہر عنوان باب زندگی
ہے یہی بسم اللہ ام الکتاب زندگی

حیات ایک مستقل غم کے سوا کچھ بھی نہیں شاید
خوشی بھی یاد آتی ہے تو آنسو بن کے آتی ہے

پالے سے بھی مظفر ہم اچھل کر گر پڑے
حادثوں کے ساتھ کھیلے ہیں کھلونوں سے نہیں

(مظفر وارثی)

ملے غم تو صبر کر
ہو خوشی حاصل تو شکر کر
نہیں خالی دونوں پہلو اجر سے
اسی اصول پہ زندگی اپنی بسر کر

(سلام لاجپوری)

جانچ ہوتی ہے انہیں کی جن پہ ہوتا ہے کرم

آزمائش ہے نشان بندگان محترم

جانچ ہوتی ہے انہیں کی جن پہ ہوتا ہے کرم

بندے نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولی والد مرحوم کو دنیوی مسائل اور بیماریوں میں گھرا دیکھا، والد مرحوم کا ابھی بچپنہ تھا کہ سر سے والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا تھا۔

زندگی بھر کا ساتھی

کچھ زخموں کی کی کوئی عمر نہیں ہوتی سلام

تا عمر ساتھ چلتے ہیں جسم کے خاک ہونے تک

اب یہ بھی نہیں ٹھیک کہ ہر درد مٹا دیں

کچھ درد کلیجے سے لگانے کے لئے ہوتے ہیں

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ایک پاؤں کی ایڑی میں ایسا زخم آ گیا کہ اس نے تادم حیات والد مرحوم کا ساتھ نہیں چھوڑا، اس زخم میں کبھی کبھی کیڑے بھی اپنا مسکن بنا لیتے تھے، شاید وہ بھی والد مرحوم کے مزاج سے واقف تھے کہ یہ بندۂ ابراہیم ''ابُ رحیم،، ہے لہذا اس سے اچھی جگہ رہنے کے لئے کوئی اور ہو نہیں سکتی، چنانچہ وہ بھی موسم باراں میں اپنا مسکن والد مرحوم کے پاؤں کے زخم میں بنا لیتے تھے، اس زخم کی والد مرحوم تا حیات ڈریسنگ (مرہم پٹی) کرواتے رہے اور اکثر اس کے لئے

سورت کے ایک خاص شفاخانہ جانا پڑتا تھا،کبھی کبھی مجھے بھی والدمرحوم اپنے ساتھ لے جاتے تھے،میرے ذہن میں اب تک اس ڈاکٹر اور ہسپتال کا نقشہ محفوظ ہے(دھندلاسا)مرہم پٹی کرنے کے بعد وہ ڈاکٹر آپ کوایک خاص پاؤڈر جس کام غالبًا نائیسل تھا لکھ دیتا تھا آپ اس کو دن میں کئی مرتبہ زخم پر چھڑکتے تھے،اس زخم کا قصہ یوں ہے کہ میرے بڑے ابا جناب عبدالحیٔ مارویابرطانیہ سے انڈیا تشریف لائے تھے،والدمرحوم ان کو رخصت کرنے بمبئی بذریعۂ ٹرین جارہے تھے،ٹرین سے نیچے اترتے ہوئے آپ کے پاؤں میں یہ زخم پہنچا تھا،اس زخم کی وجہ سے آپ اپنا یہ پاؤں چلتے ہوئے پورے طور پرزمین پرنہیں رکھ پاتے تھے۔

آگاہی

۱۹۷۸ء میں امی جان سے آپ کا عقد ہوا،بعدہ اللہ تعالی نے آپ کواولاد کی نعمت سے نوازا،ان کا پیٹ پالنے کے لئے آپ نے مختلف کام کئے،کبھی کھیتی کی تو کبھی گنے کارس بیچا،نیز پوسٹ آفس کی ملازمت بطور پوسٹ مان بھی کی اس کے علاوہ اور بھی کچھ چھوٹے موٹے کام کئے،پھر دو بھائیوں میں جھگڑا ہوا اس میں آپ کوخوب زدوکوب کیا گیا،اتنی بری طرح سے آپ کو مارا گیا تھا کہ آپ کی دونوں ہاتھ کی کچھ انگلیاں ایک ہاتھ کی تین اور دوسرے ہاتھ کی دو ہمیشہ کے لئے ٹیڑھی ہوگئی،نیز آپ کی پشت پر بھی اتنا زدوکوب کیا گیا تھا کہ آپ موسم باراں میں گھر میں لیٹے لیٹے بتادیتے تھے کہ آج بارش برسے گا،ہم سے کہتے کہ باہر جاؤ اور آسمان پر

دیکھو بادل کی ٹکیہ پانی لے کر جارہی ہوگی، ہم جا کر دیکھتے تو واقعۃً ایسا ہی ہوتا، ہم پوچھتے کہ آپ کو اس کا پتہ کیسے چل جاتا ہے؟

تو فرماتے کہ مجھے گپت مار مارا گیا ہے، آسمان میں بادل ہوتا ہے تو مجھے بدن کے پشت والے حصہ میں درد شروع ہو جاتا ہے اس سے مجھے اندازہ ہو جاتا ہے۔

زندگی کی بظاہر آخری تکلیف

یہ سب کچھ چالیس سال کی عمر بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ کے ساتھ پیش آچکا تھا، جب آپ کی عمر ۴۴ سال کو پہنچی تو گلے کا کینسر ہو گیا، اس وقت تک کینسر کے علاج میں میڈیکل سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی جتنی آج ہے، مرض کی ابتدا اس طرح شروع ہوئی کہ اول گلے میں درد شروع ہوا اور آواز بھی کچھ پست ہوگئی، والد مرحوم صبر کے پہاڑ تھے، چونکہ پوری زندگی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے گذاری تھی، اس نے آپ کے لئے نامساعد حالات کا مقابلہ کرنا اور اس پر صابر رہنا قدرے آسان بنا دیا تھا، مشکل حالات میں بھی آپ کا مسلک یہ تھا کہ ؎

مرے رب کا ہر فیصلہ اچھا ہے
وہ جس حال میں رکھے وہ حال اچھا ہے

زندگی ہر قدم بس ایک امتحان ہے
گذرتی غم اور خوشی کے درمیان ہے

سلام جو رہتا ہے ہر حال میں راضی

وہی در حقیقت سچا مسلمان ہے

(سلام لاجپوری)

جب تکلیف شروع ہوئی تو آپ سے کہا گیا کہ کسی بڑے ڈاکٹر سے تشخیص کرالے، تو یہ کہکر بات ٹالتے رہے کہ میں اسموک کرتا ہوں اس کی وجہ سے یہ حالت ہوئی ہے اور علاج کے طور پر گلے پر کالی مٹی کا لیپ لگاتے رہے، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی اس علاج سے جب کچھ افاقہ محسوس نہیں ہوا تو گاؤں لاجپور کے انسان دوست، مریضوں کے ہمدرد، ہنس مکھ اور ملنسار ڈاکٹر، ڈاکٹر کریٹ بھٹ سے رجوع کیا، بوجوہ میرے دل میں ان کے لئے بڑا احترام ہے، میں جب بھی انڈیا جاتا ہوں ان سے ملاقات ضرور کرتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب نے دوائی دی اور ساتھ کسی بڑے ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ بھی، یہ ڈاکٹر وہ داکٹریوں ہوتے ہوتے ہم پہنچے نان پورا، سورت یتیم خانہ کے قریب کینسر کے سرجن ڈاکٹر جیش شاہ کے پاس ان کے آنند ہسپتال میں۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

والد مرحوم کا جب انتقال ہوا اس وقت میری عمر تقریباً ۲۱ سال تھی، زندگی کے انیس سال کیسے گذرے پتہ ہی نہ چلا، جب میں انیس سال کا تھا اس وقت والد صاحب کو گلے کا کینسر ہوگیا، علاج ہوتا رہا مگر..........

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

والد صاحب بلکہ پورے گھرانے کو والد صاحب کے کینسر کے مرض کا پتہ (جیسا کہ پیچھے ذکر کیا) بہت بعد میں لگا اور جب پتہ لگا اس وقت تک کافی دیر ہو چکی تھی، کینسر کافی حد تک پھیل چکا تھا، دوسری بات یہ ہوئی کہ گلے کے آپریشن کے نتیجہ میں کینسر کی جو گانٹھ نکالی گئی (فاسد مادہ نکالا گیا) وہ نر نہیں بلکہ مادہ یعنی ناری تھی، نیز ڈاکٹر نے بتایا کہ گانٹھ اگر نر ہوتی ہے تو اس کا علاج ہوسکتا ہے، البتہ گانٹھ مادہ (ناری) ہو تو ایک مرتبہ فاسد مادہ نکال بھی دیا جائے تو وہ مادہ واپس لوٹ آتا ہے، باوجود اس کے والد مرحوم کے علاج میں گھر والوں نے کوئی کسر نہیں برتی ،مختلف علاج کئے گئے مگر ؎

شفا ان کی تقدیر میں نہ تھی
علاج میں تو برتی کوئی کمی نہ تھی
جو بس میں تھا ہم کر گذرے
دعا دوا جو ہو سکتا تھا سب کر گذرے

(سلام لاجپوری)

بیٹا خوش رہو ہم دعا کر چلے

زندگی کے اخیری لمحات میں والد مرحوم نے تمام گھر والوں کو اور بطور خاص بندے کو خوب دعائیں دیں، میر تقی میر کے شعر میں مناسب ترمیم کے ساتھ ؎

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
بیٹا خوش رہو ہم دعا کر چلے

یہ جہاں جہان فانی ہے

بالآخر وقت موعود آہی گیا، والد مرحوم نے فانی زندگی کے جو سانس لکھے تھے وہ پورے کیئے۔

موت سے کس کو مفر ہے
وہ سب کا ہم سفر ہے
سلام موت سب کو آنی ہے
یہ جہاں جہانِ فانی ہے

(سلام لاچپوری)

نہ لوں گا میں سگریٹ وہ دیں جتنا چاہیں
کہ میں کھینچتا ہوں دھواں دار آہیں

(خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ)

سگریٹ نوشی سے پرہیز کرے

دھوئیں سے یہ اپنے لبھاتی ہے ہم کو
مگر اندر اندر جلاتی ہے ہم کو
جوانی میں اس کو جو پیتے ہیں اکثر
بڑھاپے میں حال ان کا ہوتا ہے بدتر
بظاہر بڑی خوش نما ہے یہ سگریٹ
نمونہ مگر زہر کا ہے یہ سگریٹ
اسے اپنے منہ سے نہ لگانا ہرگز
نشہ یہ کسی کو سکھانا نہ ہرگز

(کلیات عادل)

قارئین سے یہی گذارش ہے کہ اپنے آپ کو اور متعلقین کو سگریٹ نوشی سے بچائے، بیڑی پینا، سگریٹ نوشی کرنا اپنے ہاتھوں اپنے پیسہ کو جلانا برباد کرنا اور بیماری کو دعوت دینا ہے، میں کہا کرتا ہوں کہ آدمی پہلے اپنے ہاتھوں سگریٹ نوشی کر کے بیماری کو دعوت دیتا ہے اور پھر اس بیماری سے صحت یاب ہونے کے لئے مزید پیسہ خرچ کرتا ہے، لکھا ہے کہ سگریٹ بنانے میں چار ہزار مضر صحت کیمیکلز استعمال ہوتے ہیں، جن میں سے تین خطرناک ترین یہ ہیں، سگریٹ جسم میں ایک مادہ پھینک دیتا ہے جسے ٹار کہتے ہیں، دوسرا کاربن مونو آکسائڈ اور تیسرا نکوٹین۔

ٹار۔انگلیاں اور دانت گندے کر دیتی ہے، پھیپھڑوں کو نقصان پہنچاتی ہے جس سے کینسر کا خطرہ پیش آ سکتا ہے۔

کاربن مونو آکسائڈ گیس۔جسم میں پندرہ فیصد تک آکسیجن میں کمی لاسکتی ہے جس سے پھیپھڑوں کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔

نکوٹین۔جب سگریٹ نوش ایک کش لیتا ہے تو صرف چھ سیکنڈ میں نکوٹین اس کے دماغ پر اپنا اثر دکھانا شروع کر دیتی ہے اور دماغ ڈوپامائن dopamine نام کا ہارمون خارج کرتا ہے، جس سے بہت سرور محسوس ہوتا ہے، اس سے دل کی دھڑکن اور بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے اور میٹابولزم تیز ہو جاتا ہے، جلد ہی دماغ کو نکوٹین کی ایسی لت لگ جاتی ہے کہ بار بار سگریٹ پیتے ہیں، طبی ماہرین کے خیال میں ایک سگریٹ زندگی کے گیارہ قیمتی منٹ ضائع کرتی ہے، یوں سگریٹ نوش کی زندگی کے اوسطاً دس سال کم ہو جاتے ہے۔

دنیا بھر میں تمباکو نوشی کے باعث ہر چھ سیکنڈ میں ایک شخص موت کا تر نوالہ بن رہا ہے، عالمی ادارہ صحت کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں ہر سال ساٹھ لاکھ افراد کی ہلاکت کا سبب تمباکو نوشی بنتی ہے۔

موسم سرما

سردی آئی سردی آئی
موسم نے لی پھر انگڑائی
پتے ٹوٹے زردی چھائی
آتش دان سے لگ کر بیٹھے
امی ابو بہن اور بھائی
سردی آئی سردی آئی
امی نے پکوان پکایا
حلوہ گرما گرم بنایا
مل جل کے پھر سب نے کھایا
باجی نے چلغوزے چھیلے
کھا گیا اس کو چھوٹا بھائی
سردی آئی سردی آئی
دھوپ اشارے جب پاتے ہیں
پنچھی فوراً اٹھ جاتے ہیں
بستی بستی یہ گاتے ہیں
جاگو پیارے بچو جاگو

کیوں ہے تم پر سستی چھائی
سردی آئی سردی آئی

(امجد اسلام امجد)

آتا ہے موسم سرما تو ناک بہتی ہے
دیکھو میں آگئی ہوں سردی ہم سے یہ کہتی ہے
آتی ہے سردی تو کسی ایک کو فلو ہو جاتا ہے
کرتے ہیں بچنے کی تدبیر پھر بھی ہو جاتا ہے
گلا بھی کرنے لگتا گلہ ہے
اور آواز کو کر دیتا ڈھیلہ ہے
آنے لگتی چھینک پہ چھینک ہے
ہوتی دوسرے کو اس سے تکلیف ہے
ہونے لگتی مسلسل کھانسی ہے
مومن ہے کہ رہتا ہر حال میں راضی ہے

(سلام لاجپوری)

صحت کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے

برطانیہ میں جب موسم سرما آتا ہے تو صحت کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے اور موسم گرما آتا ہے تو آنکھوں کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے کہ خواتین نیم برہنہ گھوم رہی ہوتی ہے صرف برائے نام کپڑا بدن پر پہنا نہیں بلکہ پڑا ہوتا ہے۔

میرے بڑے ابا جناب عبدالحیٔ بن احمد ماروی جو preston کے قبرستان میں مدفون ہے، کہا کرتے تھے کہ برطانیہ میں ''موسم سرما،، میں جب باہر سے گھر میں آؤ تو بدن سے کپڑے اس طرح اتارنے پڑتے ہیں جیسے پیاز کے چھلکے اتارے جاتے ہیں کہ ایک کے بعد دوسرا دوسرے کے بعد تیسرا............ٹھیک ویسی ہی کیفیت موسم سرما میں جسم سے کپڑے اتارنے کی ہوتی ہے۔

موسم سرما آتا ہے تو درخت اپنے لباس اتار پھیکتا ہے اور.......

ایک صاحب کہتے تھے کہ برطانیہ میں موسم سرما آتا ہے تو درخت اپنے لباس اتار پھینکتا ہے (اکبر الہ آبادیؒ اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ گویا درخت کی جوانی ختم ہوئی اور اس پر بڑھاپا طاری ہوا، جیسے انسان کی جوانی ختم ہوکر اس پر بڑھاپا طاری ہوتا ہے، آگے اکبر کہتے ہیں کہ مگر درخت انسان کے مقابلے میں خوش نصیب واقع ہوا ہے، کیونکہ ؎

بہار عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سرے سے جواں ہوکر

ضعیفی زور پر آئی ہوئے بے دست و پا اکبر
کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہوکر

ایک سوال

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بندہ ''موسم سرما،، میں نماز پڑھانے اپنی مسجد جارہا تھا راستہ میں حافظ یوسف راوت نصیر پوری (لندنی) سے ملاقات ہوگئی،اس وقت برف باری ہورہی تھی،پوری street میں برف ہی برف تھا،روڈ پر برف کی سفید چادر بچھی ہوئی تھی،حافظ صاحب مجھ سے گویا ہوئے کہ ہم دونوں کا تعلق انڈیا سے ہیں،راستہ پر یہ کیچڑ پڑا ہوا ہے،اب آپ مجھے ایک بات بتائیے!ہمارے یہاں انڈیا میں جو کیچڑ ہوتا ہے وہ کالا ہوتا ہے یہاں (برطانیہ) کا کیچڑ سفید کیوں؟میں خاموش رہا اس پر وہ خود ہی کہنے لگے کہ وجہ یہ ہے کہ برطانیہ گوروں کی کنٹری ہے،تو یہاں کا کیچڑ بھی سفید ہے اور انڈیا سیاہ فام لوگوں کی کنٹری ہے تو وہاں کا کیچڑ بھی سیاہ ہوتا ہے۔

موسم سرما کی راتیں

اک ہاتھی اک راجہ اک رانی کے بغیر
نیند بچوں کو نہیں آتی کہانی کے بغیر

(مقصود بستوی)

''موسم سرما،، میں دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہوتی ہے،نماز عشاء سے بھی

جلد فراغت ہو جاتی ہے اور نماز فجر میں کافی وقت ہوتا ہے، تو اس وقت والد مرحوم رات کاٹنے کے لئے ہم بھائی بہنوں کو قصے، کہانیاں سناتے تھے، اس میں اسلامی کہانی بھی ہوتی تھی اور عام کہانیاں بھی، والد صاحب کے خاص دوست ''سعید چچا کولا،، بھی والد صاحب کے ہمراہ موجود ہوتے وہ بھی ہمیں کہانیاں سناتے تھے۔

پہیلیاں بھی اور نصیحتیں بھی

کہانی کے ساتھ ساتھ ''پہیلیاں،، بھی بجھی جاتی تھی جس کو ہماری طرف ''اُکھاڑوں،، بولتے ہیں، پہلیاں بجھنے پر یاد آیا ''بخاری شریف،، کے عظیم شارح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''فتح الباری،، جو بخاری شریف کی بہترین شرح ہے جس شرح کے متعلق خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ملفوظ ہے کہ بخاری شریف کی اس کی شان کے مطابق شرح لکھنے کا جو قرض اور فرض (فرض کفایہ) امت پر چلا آرہا تھا اس کی ادائیگی ''فتح الباری،، تحریر کر کے ابن حجرؒ نے کردی، اس شرح میں پہیلی بجھی ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے

بتائیے! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک ایسا کونسا بھائی گذرا ہے جس نے اپنے بھائی پر احسان عظیم کیا ہو۔

جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ بھائی حضرت موسی علیہ السلام ہے جنہوں نے اپنے بھائی کے لئے اللہ تعالی سے نبوت کی درخواست کی اور باری تعالی نے اس درخواست پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

والد مرحوم ہم سے پوچھتے تھے کہ ''ایوی کیوی وستو چھے، جے دیوس بھر رِسائے لا رے، انے راترے پاچھا ساتھے تھئی جائے (ایسی کونسی چیز ہے جو دن بھر آپس میں منہ پھلائے رہتے ہیں اور رات کو ساتھ ہو جاتے ہیں) ہم کہتے نہیں معلوم، اس پر آپ کا اُتّر (جواب) ہوتا کہ مکان کے دو دروازے (اب تو گاؤں میں جو نئے مکانات تعمیر ہو رہے ہیں ان میں برطانیہ کی طرح ایک دروازہ رکھنے کا چلن عام ہو رہا ہے، میں کہا کرتا ہوں کہ پہلے انڈیا میں گھر کے دو دروازے ہوتے تھے جو دن بھر کھلے رہتے تھے، تو دروازے کی طرح اس وقت کے لوگوں کے دل بھی کھلے ہوتے تھے اس میں خوب وسعت ہوتی تھی کہ دوست، دشمن سب کے لئے جگہ ہوا کرتی تھی (اکثریت مراد ہے) اب تو گھر کے دروازے بھی تنگ (ایک ہی رہ گیا ہے) اور دل کے دروازے بھی تنگ ہو گئے ہیں اور ایسے تنگ ہوئے ہیں کہ اپنوں کے لئے بھی تقریباً بند ہو گئے یا بند ہوتے جارہے ہیں (الا ماشاء اللہ) تو انڈیا میں گاؤں میں اس وقت یہی رواج تھا کہ صبح میں گھر کے دونوں دروازے کھول دیئے جاتے اور رات کو بند کر دیئے جاتے تھے، تو گویا دن بھر وہ ایک دوسرے سے روٹھے رہے اور رات کو صلح ہو گئی، اس سے سبق اور نتیجہ یہ اخذ کرتے تھے کہ پتی، پتنی، میاں، بیوی husband.wife کے تعلقات بھی ایسے ہی ہونے چاہئے کہ اگر کوئی بات آپس میں ناگواری کی ہو گئی ہے تو دن بھر روٹھے رہے، رات گئے صلح کر لینی چاہئے، نیز فرماتے تھے کہ ''دھڑی بیرا (میاں۔ بیوی) نی لڑائی کیٹ لی، دیوو

برے ایٹ لی، husband.wife کا جھگڑا کتنی دیر کا، چراغ بجھے اتنی دیر کا، اور کبھی فرماتے کہ ''دھڑی بیرانی لڑائی کیٹ لی، پاپڑ سیکائے تیٹ لی۔

اس طرح پہیلی بھی ہو جاتی، وقت بھی کٹ جاتا اور بچوں کے لئے نصیحت کا سامان بھی ہو جاتا تھا۔

موسم سرما کا ایک کھیل

بچپن میں ایک ایسا انوکھا کھیل بھی دیکھا ہے
جس میں ماں باپ کو بچوں سے جان بوجھ کر ہارتے دیکھا ہے

(سلام لاجپوری)

موسم سرما کی رات میں ایک کھیل ہوتا تھا ''کوڑی کھیلنا،، جس کو بھنگی بھی بولتے ہیں یہ کھیل چار آدمیوں پر مشتمل ہوتا تھا جس میں ماں، باپ کے ساتھ بچے بھی کھیلتے تھے اس کھیل میں تین آدمی کی جیت اور ایک کی ہار ہوتی تھی جس کی ہار ہوتی تھی اس کو ''بھنگی،، کہا جاتا تھا، اس لئے اس کھیل کے لئے بھنگی کا لفظ بھی استعمال ہوتا تھا اور کوڑی کھیلنا بھی کہتے تھے، کوڑی کھیلنا اس لئے کہتے تھے کہ یہ کھیل کوڑی کے ذریعہ کھیلا جاتا تھا، ویسے کوڑی کے ساتھ کھیل کا حصہ ماچس کی استعمال شدہ تیلی جس کو ہماری طرف ہری بولتے ہیں، یا عورت کے ہاتھ کی ٹوٹی ہوئی چوڑی جس کو ہماری طرف بنگڑی اور کاوڑی بولتے ہیں اس کے ٹکڑے ہوتے تھے، نیز کھٹی املی کی گھٹلی (پچورا) اس کھیل کا حصہ ہوتا تھا، اس کھیل میں ایک عجیب چیز یہ دیکھی کہ

ماں ۔ باپ تو ماں باپ ہوتے ہیں وہ زندگی کے ہر موڑ پر خود ہار کر بھی اپنی اولاد کو جیتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اس کھیل میں دیکھا اس کھیل کا ایک پارٹ ہوتا تھا جس کو ''مارنا،، بولتے ہیں جس کو ''مار،، پڑتی تھی اس کو گھر میں بیٹھنا ہوتا تھا یعنی اس کھیل کا جو خاص نشان ہوتا تھا اس کھیل کی جو علامت ہوتی تھی اس کو واپس اس کے باکس میں رکھ دیا جاتا تھا، میرے والدین دونوں ایسی چال چلنے سے جس میں ہم بھائی بہنوں میں سے کسی کو مارنا ہوتا تو جان بوجھ کر ایسی چال چلتے تھے کہ ہمیں مارنا نہ پڑے چونکہ یہی مار اس کھیل میں ہار کا سبب ہوتا تھا اس لئے وہ اس عمل سے کتراتے تھے ،ہاں کبھی کبھار بدرجہ مجبوری جب اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ ہو تو بادل ناخواستہ یہ عمل انجام دینا پڑتا تھا، تو والدین sorry کہہ کر وہ کام کرتے تھے، بعض مرتبہ جب کھیل میں آخر میں ہم باپ ۔ بیٹے رہ جاتے تو والد صاحب جان بوجھ کر مجھ سے ہار جاتے تھے، واقعی جو ہار کر بچے کو جتائے اسے ماں باپ کہتے ہیں ۔

میں اپنی مرضی کا مالک تھا
جب میں چھوٹا اور نابالغ تھا
مگر اب وہ بات کہاں
اب وہ دن وہ رات کہاں
اب تو ذمہ داری کا رہتا بوجھ ہے
جانا پڑتا کمانے ہر روز ہے
اے بچپن تو پھر لوٹ کے آجا
تاکہ گذاروں میں زندگی بن کے راجا

(سلام لاجپوری)

بچپن کا زمانہ تھا
خوشیوں کا خزانہ تھا
وقت کتنا سہانہ تھا
مٹھی میں اپنے زمانہ تھا
بے فکری تھی لائف میں
بس ہنسنا ہنسانا تھا
تھا کرکٹ سے پیار
بلکہ اس کا تو دیوانہ تھا
کھیل کود میں ہی
گذرتا زمانہ تھا
سمجھتے تھے خود کو امیر
حالانکہ ہوتا جیب میں اٹھنّا تھا
کچھ جگری یار تھے
جن سے بڑا یارانہ تھا
عرصہ ہوا نہیں ملے
وہ یار جن سے یارانہ تھا
کھیلنے کو ہوتا روز اک بہانہ تھا

وہ زمانہ بھی یار کیا زمانہ تھا
نہ کھانے کی تھی فکر
نہ روپیہ پیسہ کمانا تھا
ماں باپ کا تھا ساتھ
سرپہ موجود آشیانہ تھا
کاش کہ لوٹ آئے پھر بچپنا
تاکہ دیکھ سکوں دن میں بھی سپنا
سلام بچپن میں تھا ہر کوئی اپنا
چاند تک لگتا تھا رشتہ میں ماما اپنا

(سلام الاچپوری)

کرکٹ

وہ اینٹوں کی وکٹیں وہ ٹوٹا سا بلّا
وہ گلیوں کی رونق وہ اپنا محلّہ
وہ جیبوں میں سکّے مچاتے تھے شور
امیری کے دن وہ وہ مٹی کا کلّا
اے بچپن بتا تو کہاں کھو گیا ہے
یا کہہ دے کہ تو اب بڑا ہو گیا ہے
بچپن کا زمانہ تھا
خوشیوں کا خزانہ تھا
چاہت چاند کو پانے کی تھی
دل تتلی کا دیوانہ تھا
تھک کر آتے تھے سکول سے
پھر کھیلنے بھی جانا تھا
بارش میں کاغذ کی کشتی
ہر موسم ہی بڑا سہانا تھا
ہر کھیل میں ساتھی تھے
ہر رشتہ نبھانا تھا

رونے کی وجہ نہ تھی
نہ ہنسنے کا بہانہ تھا
اب نہیں رہی وہ زندگی
جیسے بچپن کا زمانہ تھا

شاہانہ دور

انسانی زندگی میں ''بچپن،، کا دور سب سے ''سہانا، ہوتا ہے، اس میں امروز و فردا کی کوئی فکر نہیں ہوتی ہے، اسی لئے یہ انسانی زندگی کا ''شاہانہ،، دور کہلاتا ہے، اسلامی طور پر بھی بچہ معصوم (بے گناہ) ہوتا ہے چاہے اس کا اسم گرامی معصوم نہ ہو، عام طور پر انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے بچپنے کو یاد کرتا رہتا ہے۔

بڑی حسرت سے انسان بچپنے کو یاد کرتا ہے
یہ پھل پک کر دوبارہ چاہتا ہے خام ہو جائے

(نشور واحدی)

دو سادھن

بچے عام طور پر بچپن میں ضدی ہوتے ہیں، بچوں کے پاس ماں باپ سے اپنی فرمائش پوری کرانے کے دو سادھن ہوتے ہیں (۱) رونا (۲) ضد، عادل اسیر دہلوی لکھتے ہیں۔

ابو نے بہلایا مجھ کو
گودی میں ٹہلایا مجھ کو
نرمی سے سمجھایا مجھ کو
جب میں چھوٹا سا بچہ تھا

رو کر میں نے شور مچایا
سارے گھر کو سر پہ اٹھایا
تھپک تھپک کر مجھے سلایا
جب میں چھوٹا سا بچہ تھا

ضد پر جب میں آجاتا تھا
سارا گھر گھبرا جاتا تھا
منہ مانگی شے پا جاتا تھا
جب میں چھوٹا سا بچہ تھا

ویسے میرے لاڈ میرے والد مرحوم نے صرف بچپن میں ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک خوب لڑائے۔

خوبیاں جس میں کئی ساری ہے
بچپن سے رہی اس سے یاری ہے
ہوتی ہے جس سے ورزش بھی
سلام وہ سائیکل کی سواری ہے

(سلام لاجپوری)

سائیکل

بندے نے ''مفتاح العلوم ،تراج،، ضلع سورت میں درجہ عالمیت میں داخلہ لیا اس زمانہ میں cycle کی دو کمپنی تھی'' atlas اور hero اب تو سائیکل قصہ پارینہ بنتی جارہی ہے ورنہ اس سائیکل نے تقریباً دو صدیوں تک نہ صرف سڑکوں بلکہ کچے پکے راستوں پر بھی حکمرانی کی ہے، سائیکل ایسی ماحول دوست سواری تھی کہ نہ تیل پھونکتی تھی، نہ دھواں چھوڑتی تھی، سفر کا سفر ہوتا تھا اور ورزش کی ورزش بھی یہ سواری انسان کو صحت منداور توانا بھی رکھتی تھی، ہمت مرداں اور حرکت پا سے چلنے والی یہ مشین اب آہستہ آہستہ انڈیا کی سڑکوں سے غائب ہوتی جارہی ہے مستقبل قریب یا بعید میں اس ناشکرے انسان کو رہ رہ کر یاد آئے گی کیونکہ کسی قسم کے ایندھن سے بے نیاز ایسی سواری حضرت انسان کو دوبارہ میسر نہیں آئے گی، سید ضمیر جعفری سے معذرت کے ساتھ ؎

شکستہ ساز میں بھی محشر جذبات رکھتی تھی
توانائی نہیں رکھتی مگر جذبات رکھتی تھی

سائیکل کی اتنی اہمیت تھی کہ بچے سب سے پہلے سائیکل ہی چلانا سیکھتے تھے، اپنی نہیں تو کرائے پر لے کر ہی سہی، میں نے بھی بچپن میں کرایہ پر سائیکل چلائی ہے، ویسے اس کرایہ نے ابھی تک پیچھا نہیں چھوڑا ہے، جس دیار میں رہتا ہوں وہاں گھر کرایہ کا ہے، تو کرایہ سے ناتا بچپن کا ہے، خیر، جو صاحب کرایہ پر سائیکل

دیتے تھے وہ سائیکل دینے سے پہلے پوری سائیکل کا دلہن کی طرح معائنہ کرتے تھے اور دیتے ہوئے کہتے تھے کہ جیسی یہاں سے لے جا رہے ہو ویسی ہی واپس کرنا نقصان ہونے کی صورت میں چارج اضافی ہوگا، ساتھ ایک تاکید یہ بھی ہوتی تھی کہ سائیکل کی واپسی بروقت ہونی چاہئے مگر آپ جانتے ہیں کہ چیز کو ذرا تاخیر سے لوٹانے کی صفت تو ہم لوگوں کو ورثہ میں ملی ہوتی ہے۔

خیر، جب hero کمپنی نے نئ سٹائل میں سائیکل نکالی نئ سٹائل بایں معنی کہ اس وقت تک جو سائیکل فروخت ہوتی تھی اس کا سٹرینگ سیدھا اور پھر دائیں بائیں دونوں طرف مڑا ہوا ہوتا تھا، ہیرو کمپنی نے سائیکل کا سٹرینگ بالکل سیدھا رکھا تھا ''کل جدید لذیذ،، بچوں میں اس کی مانگ بڑھی، میں نے بھی والد مرحوم سے تقاضہ کیا کہ مجھے خرید کر دے، والد صاحب نے تصدیق کی مہر ثبت کر دی کچھ دنوں بعد سائیکل میرے پاس تھی اور میں سائیکل کے ساتھ (میرے والد جو میرے لئے ہیرو تھے انہوں نے مجھے سائیکل بھی ہیرو کمپنی کی ہی لے کر دی تھی) میں سائیکل پر سوار پھولے نہیں سما رہا تھا، تراج مدرسہ میں بندے نے دو سال تعلیم حاصل کی اس میں لاجپور سے تراج آمد و رفت کا سلسلہ اسی سائیکل پر ہوتا تھا۔

جب آجاتی ہے دنیا گھوم پھر کر اپنے مرکز پر
تو واپس لوٹ کر سائیکل کے زمانے کیوں نہیں آسکتے

اب زمانے کا سلوک دیکھئے، وقت کا پہیہ پھر گھوما ویسے سائیکل کا معنی بھی گھومنا

ہی ہے وقت کا پہیہ پھر گھوما ہے، بندے نے اپنا بچپن سواری کے تعلق سے اس طرح شروع کیا تھا

(۱)cycle(۲)luna(۳)bajaj80(۴)اور hero honda

۲۰۰۳ء میں احقر انگلینڈ آیا یہاں آ کر پھر شروعات سائیکل cycle سے ہوئی، سائیکل کے بعد بس bus بس کے بعد کار (موٹر کار) جب موٹر کار خریدی تو میرے جذبات واحساسات بھی خواجہ عزیزالحسن مجذوبؒ کے جذبات کی طرح ہی تھے، خواجہ صاحبؒ نے جب موٹر کار خریدی تھی اس وقت ایک رباعی کہی تھی ۔

عیش ہے عزت ہے موٹر کار ہے
اور اس دنیا میں کیا در کار ہے
اس جہاں کی نعمتیں بھی ہو عطا
اے خدا تری بڑی سرکار ہے

کیمرہ

نہ یہ تیرا ہے نہ میرا ہے
نام جس کا کیمرہ ہے
آتا ہے جو بھی اس کی چپیٹ میں
تصویر اس کی لیتا ہے

رہنا تم اپنی حد میں

ہمہ وقت یہی پیغام دیتا ہے (سلام لاجپوری)

جب سے برطانیہ میں لاک ڈاؤن ہوا ہے اس کے بعد سے ایک نئ مشکل یہ بھی ہمارا مقدر بن گئی ہے کہ حکومت نے لندن میں بہت سے روڈ close کر دیئے ہیں اور بہت سی street میں داخلہ ممنوع ہو گیا ہے no entry کا بورڈ چسپاں کر دیا گیا ہے اور وہ بھی کیمرہ کی نگرانی میں یہ کیمرہ کی آنکھ اتنی بے شرم واقع ہوئی ہے کہ کسی کا شرم ولحاظ نہیں کرتی چاہے پھر وہ کوئی بھی ہو۔

اولڈ از گولڈ

ہو گئے روڈ سب بند ہے
دیکھ کے یہ منظر آنکھیں دنگ ہے
غلطی سے بھی چلے جائیے اس area میں
تو ہو جانا اسے بھاری دنڈ ہے
سوچا بھی نہیں تھا ایسی نوبت بھی آئے گی
کئی ساری سٹریٹ ایکدم سے بند ہو جائے گی
ہے پریشانی سب کے چہرے سے عیاں
بغیر کہے کر دیتی ہے تکلیف بیاں

(سلام لاجپوری)

خیر، بتانا یہ تھا کہ لندن میں بہت سی strret میں یا تو داخلہ ممنوع ہو گیا ہے یا پھر اس کو یکطرفہ one way کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ٹریفک کا نظام بے حد متاثر ہوا ہے کار کے چلنے کی رفتار بھی ٹریفک کی وجہ سے بہت سست ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے لوگ موٹر کار کو چھوڑ کر یا موٹر کار کے ساتھ ساتھ سائیکل کا استعمال بھی کرنے لگے ہیں، مجھے بھی میرے کچھ خیر خواہ یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ میں بھی اپنے گھر سے مسجد آمد و رفت کے لئے چونکہ میرا مکان مسجد سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے سائیکل خرید لوں، ویسے میں سوچ رہا ہوں مشورہ اتنا برا بھی نہیں ہے مگر ساتھ ہی

یہ بھی سوچتا ہوں کہ انڈیا سے زندگی سائیکل پر شروع کی تھی ترقی یافتہ ملک میں آ کر اور وہ بھی اس کی راجدھانی میں مقیم ہوں مگر مشورہ اور مجبوری یا ضرورت جو بھی نام دیدے اس کا مرکز ومحور ''سائیکل،، ہی ہے شارٹ کٹ میں خلاصہ یہ ہے کہ میں اتنا لمبا زمینی فاصلہ طے کرنے کے بعد بھی اسی نکتہ پر آ گیا ہوں جہاں سے میں چلا تھا، واقعی دنیا کی طرح زندگی بھی گول ہے اور کہنے والے نے سچ ہی کہا ہے old is gold چلئے، میں تو سائیکل خرید رہا ہوں آپ بھی اگر برطانیہ میں رہائش پذیر ہے تو اس تجویز پر غور ضرور کیجئے گا، ویسے آپشن برا بھی نہیں ہے، سوچ پر نہ ٹیکس عائد ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی بندش ہے، واقعی وقت بھی عجیب ہے ؎

وقت رہتا نہیں کہیں ٹک کر
عادت اس کی بھی آدمی سی ہے

تیراکی کے بعد سائیکل سب سے اچھی ایکسر سائز ہے

لاک ڈاؤن کی وجہ سے لندن کی بہت سی شاہراہیں بند کر دی گئی ہیں اس لئے لوگ سائیکل پر سفر کو ترجیح دے رہے ہیں، کہتے ہیں کہ تیراکی کے بعد سائیکل سب سے اچھی ایکسر سائز ہے، اس سے بلڈ پریشر، کولیسٹرول، شوگر اور قلب کی بیماری سے بچا جا سکتا ہے، کہنے والے از راہ تفنن کہتے ہیں کہ سائیکل غریب کی سواری ہے مگر اس کے فائدے امیروں والے ہیں، اس سے روگ بھاگتے ہیں، پارکنگ کا کوئی مسئلہ ہے نہ چالان کا اندیشہ، اس میں کوئی شک نہیں کہ برطانیہ میں سائیکل کا

استعمال تیزی پکڑ رہا ہے۔

چھریاں تیز کرنے والی سائیکل

ہمارے بچپن میں ایک سائیکل ہوا کرتی تھی چھریاں تیز کرنے والی چھریاں تیز کرنے والا بندہ اپنی سائیکل کو سٹینڈ پر کھڑا کرتا، پچھلا پہیہ اونچا ہو جاتا پھر وہ اضافی پہیہ میں نائیلون کی بیلٹ لگاتا، اس کے بعد وہ دوسری کاٹھی پر بیٹھ جاتا جس کا رخ پچھلے پھیے کی طرف ہوتا اور پیڈل چلاتا جب وہ مختلف قسم کے اوزاروں کی دھار تیز کرتا تو اس سے چنگاریاں نکلتی، اس محنت طلب کام کے دوران اسے بہت پسینہ آتا چھریاں تیز کرنے والے شخص کی سائیکل یوں تو عام سی ہوتی ہے لیکن اس میں کچھ خاص تبدیلیاں کرائی جاتی ہیں، اس کے کیریئر پر سان یعنی ایک گھومنے والا پتھر لگایا جاتا ہے جو اوزاروں کو تیز کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، سان کو چلانے کے لئے نائیلون کا ایک بیلٹ سائیکل کے اضافی پھھــــــــــے کے چھلے کے گرد لپٹا جاتا ہے، یہ اضافی پہیہ سائیکل کے پچھلے پہیہ کے درمیان میں لگایا جاتا ہے اور یہ پچھلے پہیہ سے چھوٹا ہوتا ہے، اس سے چھری، قینچی، بیلچے برمے غرض دھار والی ہر چیز تیز کرائی جاتی تھی۔

رکھا سر پر جو آیا یار کا خط
گیا سب درد سر کیا تھا دوا خط
جس کا حقدار تھا اسی حق میں رکھا
ترا خط آیا تو چاندی کے ورق میں رکھا

(منوررانا)

یہ ترے خط تری خوشبو یہ ترے خواب وخیال
متاع جاں ہیں ترے قول وقسم کی طرح
گزشتہ سال انہیں میں نے گن کے رکھا تھا
کسی غریب کی جوڑی ہوئی رقم کی طرح

(جون ایلیا)

خوشبو جیسے لوگ ملے افسانے میں
اک پرانا خط کھولا انجانے میں

(گلزار)

کافی ہے مرے دل کی تسلی کو یہی بات
آپ آ نہ سکے آپ کا پیغام تو آیا

سیدھا سادہ ڈاکیا جادو کرے مہان
اک ہی تھیلے میں بھرے آنسو اور مسکان

تری یادوں کے راستے کی طرف
اک قدم بھی نہیں بڑھوں گا میں
دل تڑپتا ہے ترے خط پڑھ کر
اب ترے خط نہیں پڑھوں گا میں

تاخیر تم نے کی ہے جو خط کے جواب میں
تم کو خبر ہے کچھ میں رہا کس عذاب میں

اب مرے پاس تری نشانی نہیں کوئی
اک خط بچا ہوا تھا وہ دریا کو دے دیا

خط وکتابت

نامہ گیا کوئی نہ کوئی نامہ بر گیا
ان کی خبر نہ آئی زمانہ گذر گیا
نامہ تو ہم نے بھیجا ہے اس صبا کے ہاتھ
اب دیکھئے لگے نہ لگے آشنا کے ہاتھ

والدین اپنی اولاد کو ہر وہ چیز جو اس کو زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں کام آسکتی ہے سکھاتے ہیں، ہاں کوئی ناخلف سیکھنا ہی نہ چاہے وہ الگ بات ہے، یہ حال تقریباً دنیا کے ہر والد کا ہوتا ہے، تمام والد کی طرح یہی حال میرے والد کا بھی تھا، مجھے والد مرحوم نے بچپن میں منجملہ اور کاموں کے جو ایک کام بطور خاص سکھایا تھا اس کے ذکر سے پہلے مختصر سی تمہید قائم کرنا ضروری ہے،آپ کے تین حقیقی بھائی ایک بہن اور میری دو بہنیں برطانیہ میں مقیم تھے، میں جس وقت کی بات کرر ہا ہوں اس وقت گاؤں بلکہ شہر میں بھی گھر گھر فون نہیں تھے،اس لئے ملک و بیرون ملک جن سے رابطہ کرنا ہوتا اس کی آسان صورت ہوتی تھی ''خط وکتابت،، اندرون ملک اگر کسی کو خط لکھنا ہوتا تو اس کے لئے پوسٹ آفس سے جو لیٹر ملتا تھا اس کا نام تھا پوسٹ کارڈ postcard، انتر دیسی antardesi patra اور بیرون ملک کے لئے جو لیٹر ہوتا اس کی رنگت، سائز اور بناوٹ پوسٹ کارڈ سے اور طرح کی ہوتی تھی، بیرون ملک کے لئے جو لیٹر ملتا تھا اس کا نام تھا ہوائی پتر AIR

LETTER۔

انتظار

والد صاحب بھائی، بہن، بیٹیاں اور دیگر کچھ رشتہ دار جو بیرون ملک رہتے تھے ان سے خط وکتابت کرتے تھے، آپ کی زیادہ تر خط وکتابت بڑے ابا عبدالحئی مالویا اور پھوپھی جان کے ساتھ ہوتی تھی، میں نے حضرت والد صاحب کو ہمیشہ ان کے خط کا انتظار کرتے پایا، آپ روزانہ اس امید کے ساتھ postman کا انتظار کرتے تھے کہ آنے والی ڈاک میں ان کے نام کا بھی کوئی خط ہوگا۔

خوشبو نہ گئی

بڑے ابا، پھوپھی اور بہن کا خط آتا تھا تو آپ اسے بار بار پڑھتے تھے بعض مرتبہ تو کچھ دن گزرنے کے بعد بھی دوبارہ پڑھتے، نیز تمام آنے والے خطوط کو بہت سنبھال کر رکھتے تھے۔

مٹ چلے میری امیدوں کی طرح حرف مگر
آج تک ترے خطوں سے تری خوشبو نہ گئی

(اختر شیرانی)

شاید والد مرحوم کو بھی ان خطوط سے محبت کی خوشبو محسوس ہوتی تھی ان میں سے کچھ خطوط اب بھی میں نے اپنے پاس سنبھال کر رکھے ہیں۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

والد مرحوم بڑے ابا جناب عبدالحئیٰ مالویا اور پھوپھی جان کو کوئی کام نہیں ہوتا تب بھی صرف ان کی خیریت اور حال چال پوچھنے کے لئے خط لکھا کرتے تھے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ والد مرحوم نے ایک خط لکھا ابھی اس کا جواب آیا نہیں کہ دوسرا خط بھی لکھا تیار ہوتا تھا، چونکہ والد صاحب کو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے خط کے جواب میں کیا جواب آئے گا، مرزا غالب نے شاید والد مرحوم ہی کے لئے لکھا ہوگا۔

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں

میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

خط پڑھنے کا انداز

برطانیہ سے والد مرحوم پر خط آنے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ بہن کے علاقہ سے کوئی انڈیا آتا تو بہن اس کے ساتھ والد مرحوم پر خط بھیجا کرتی تھی (یہی طریقہ بڑے ابا اور پھوپھی جان کا بھی تھا) والد مرحوم کو ویسے تو تمام اولاد سے بڑی محبت تھی مگر میری بڑی بہن سے اوروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ محبت تھی اس کا خط آتا تو والد مرحوم کی کیفیت خط پڑھتے وقت یہ ہوتی تھی۔

کسی ناخواندہ بوڑھے کی طرح خط اس کا پڑھتا ہوں

کہ سو سو بار اک اک لفظ سے انگلی گذرتی ہے

(اطہر نفیس)

آدھی ملاقات

اللہ تعالی کی تمام مخلوقات میں صرف انسان ہی کو یہ صلاحیت حاصل ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے، اس کے لئے دنیا میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، انسان کچھ علامتوں کے ذریعہ اپنے خیالات تحریری شکل میں ظاہر کرتا ہے اور دوسرے اسے پڑھ کر یہ جان لیتے ہیں کہ کہنے والا کیا کہہ رہا ہے، اسی لئے خط کو آدھی ملاقات بھی کہا گیا ہے۔

یہاں تو "جوار" ملے گی اور وہ چاہتے ہیں کہ پراٹھے ملے

ہمارے اکابر کے حالات میں بھی ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ ان کے یہاں بھی خط وکتابت کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ رہا ہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خطوط بڑے مشہور ہے، میں اس کے چند ایک اقتباس ذکر کرتا ہوں، حضرت تھانویؒ کے نام ایک قاری صاحب نے خط لکھا کہ اگر حضرت کے قرب و جوار میں کوئی ملازمت مل جائے تو مناسب ہے، فرمایا کہ قرب وجوار میں یہاں تو "جوار jawar" ملے گی اور وہ چاہتے ہیں کہ پراٹھے ملے (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات ص ۴۰۵)

شریفوں کا زمانہ بہت دنوں سے نہیں رہا

ایک صاحب نے حضرت تھانویؒ کو خط لکھا کہ میں آپ کو کچھ میوہ جات بھیجنا چاہتا ہوں آپ کچھ میوہ جات کے نام لکھ کر بھیجدے، حضرت نے کچھ نام لکھ کر بھیج دیئے، خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے "شریفہ" (انوس) نہیں

لکھا،فرمایا کہ ''شریفوں،،کا زمانہ بہت دنوں سے نہیں رہا(حوالا بالا)

خط کا جواب بہت مختصر لکھتا ہوں

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ خط کا جواب بہت مختصر لکھتا ہوں،اس پر ایک صاحب نے کہا کہ جواب ''شافی،،نہیں ہوتا،حضرتؒ نے فرمایا کہ''کافی،،بھی ہوتا ہے،گو''وافی یعنی کثیر المقدار نہ ہو۔

مگران میں وہ چاشنی نہیں ہوتی

زمانہ ترقی کرتے کرتے بہت دور نکل گیا ہے مگراب بھی خطوط کی اہمیت کم نہ ہوسکی،ہاں! یہ ضرور ہوا ہے کہ خط لکھنے اور پڑھنے والے کاغذاور ڈاکیے کا استعمال پہلے کی بہ نسبت کم ہوگیا،اب برقی خط یعنی Email اوراس طرح کی دیگر چیزوں کا استعمال ہونے لگا ہے،اب کسی ڈاکیے کے بغیر ہمیں روزانہ سینکڑوں خطوط موصول ہوتے ہیں مگران میں وہ چاشنی نہیں ہوتی جو کاغذ پر لکھے مہینوں یا ہفتوں بعد پہنچنے والے خط کے الفاظ میں ہوتی تھی،اب تو ڈاک کا نظام بھی اتنی لاپرواہی کا شکار ہو چکا ہے کہ کسی کے خط کوکوئی اہمیت ہی نہیں دی جاتی (الا یہ کہ زمین خریدنے بیچنے کے کاغذات ہو،چونکہ اس میں غرض شامل ہوتی ہے،ہاں!ہر چیز میں استثناء(apwad) ہوتا ہے سو وہ بات یہاں بھی ہے۔

آپ آنہ سکے آپ کا پیغام تو آیا

پہلے تو دعوت نامے میں بھی خط کے ذریعہ بھیجے جاتے تھے اگر کوئی کسی عذر کی

وجہ سے شرکت نہیں کر پاتا تھا تو وہ بھی اپنا عذر خط کے ذریعہ لکھ بھیجتا تھا، اس میں دعائیہ جملے اور تقریب کے کامیابی کی دعائیں بھی ہوتی تھیں، داعی کے جذبات اس خط کے موصول ہونے پر جو ہوتے تھے اس کی ترجمانی شکیل بدایونی نے خوب کی ہے۔

کافی ہے مرے دل کی تسلی کو یہی بات
آپ آ نہ سکے آپ کا پیغام تو آیا

آپ کو تو بس بہانا چاہیئے

کچھ لوگوں کو آنا نہ ہوتا تو بہانے بناتے تھے، بقول شخصے

اک نیا منظر بنانا چاہیئے
درد و غم میں مسکرانا چاہیئے
جانتا ہوں آپ آئیں گے نہیں
آپ کو تو بس بہانا چاہیئے

خط لکھنے والے کی چاہت ہوتی ہے کہ جس کے نام خط لکھا جائے وہ خط کا جواب دے، اس تعلق سے خط کے آخر میں شعر بھی لکھے جاتے تھے۔

چلا چل لفافے کبوتر کی چال
جو ہوگی محبت ملے گا جواب
عطر کی شیشی پتھر سے پھوڑ دوں

خط کا جواب نہ آئے تو خط لکھنا ہی چھوڑ دوں

یہ سب چیزیں اب ختم ہوتی جارہی ہے۔

ہاں جی ! بھائی قاضی ، اللہ تعالی بنائے تمہیں حاجی

الغرض ! والد مرحوم روزانہ ڈاکیے کا انتظار کرتے تھے جب مزید انتظار نہ ہو پاتا تو پوسٹ آفس کا رخ کرتے تھے جو ہمارے مکان سے قریب ہی تھا ، والد مرحوم نے کچھ عرصہ کے لئے اس میں ملازمت بھی کی تھی ،تو پوسٹ آفس جا کر پوسٹ مین سے پوچھتے کہ بھائی قاضی ! ان کا نام یوسف اور سرنیم قاضی تھی ، جو بھروندرا کے باسی تھے ، وہاں سے روزانہ سائیکل پر لاجپور آتے تھے ، گاؤں لاجپور میں لوگ انہیں ’’ قاضی ،، کہہ کر بلاتے تھے ، ایک طویل عرصہ تک انہوں نے لاجپور میں ڈاکیے کے فرائض انجام دیئے ہیں ، والد صاحب کے ان سے بے تکلفانہ تعلقات تھے ، ان کے سر پر ہمیشہ cap نے قبضہ جمایا ہوتا تھا ، والد صاحب ان سے کبھی کبھی یوں کہتے تھے کہ ہاں جی ! بھائی قاضی ، اللہ تعالی بنائے تمہیں حاجی ، کیا خبر ہے تازی ، ہماری طبیعت ہے باکل ساجی (یعنی اچھی)

آئندہ سے خط کا تمہیدی مضمون تجھے لکھنا ہے

فون نہیں تھے لوگ خط و کتابت کرتے تھے

جو بھی خط آتا اس کی خوب حفاظت کرتے تھے

ابا مجھے بھی سکھاتے تھے خط کیسے لکھنا ہے

کہتے تھے اگلا خط تو تجھے ہی لکھنا ہے
خط جو بھی آتا مجھ سے پڑھواتے تھے
اور جواب خط کا فوراً لکھواتے تھے
خط کا رواج اب کم ہو گیا ہے
پوسٹ کارڈ تو ختم ہو گیا ہے
بے چارہ تاریخ میں رقم ہو گیا ہے
کہتا ہوگا زمانہ کتنا بے رحم ہو گیا ہے
اب تو ٹائپنگ کا زمانہ ہے
ہر کوئی اسی کا دیوانہ ہے
خط لکھنے کی خطا اب لوگ کم ہی کرتے ہیں
سلام چلو تحریر کو اب ختم بھی کرتے ہیں

بندے کی عمر جب بارہ سال کی ہوئی تو والد مرحوم نے مجھ سے خط لکھوانا شروع کیا، ترتیب یہ ہوتی کہ آپ بولتے جاتے میں نقل کرتا جاتا، کچھ عرصہ تک معاملہ اسی طرح چلتا رہا، پھر ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ سن! آگے سے اب خط کا تمہیدی مضمون تجھے خود لکھنا ہے، آج یہ آخری مرتبہ میں تجھے بتا رہا ہوں اور پھر خط لکھنے کا پورا طریقہ بتایا (وہ طریقہ آگے آرہا ہے)

۷۸۶

والد مرحوم خط کی پیشانی پر 786 لکھتے تھے، یہ چیز میں نے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، سملک کے سابق استاذ حفظ حضرت قاری رشید احمد صاحب میمی سملکی مرحوم کے یہاں بھی دیکھی تھی، آپ کا خط بہت شاندار تھا، درجہ حفظ کے طلباء جب نیا قرآن کریم خریدتے تو اس پر اپنا نام حضرتؒ سے تحریر کرواتے تھے، مرحوم طالب علم کے نام کے ساتھ پھول کی پنکھڑی اور ساتھ 786 تحریر کرتے تھے، اسی طرح بچپن میں یہ بھی دیکھا کہ بہت سے مسلمان انڈین کرنسی نوٹ پر جو نمبر لکھے ہوتے تھے اسے غور سے پڑھتے تھے جس نوٹ پر 786 لکھا ہوتا تھا اس کو ایک دم سے (فوری طور پر) خرچ نہیں کرتے تھے بلکہ اسے ایک طویل عرصہ تک سنبھال کر رکھتے تھے، بعض نوجوان اپنی موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹ بھی 786 بنواتے تھے، بعد میں جب موبائل کا چلن شروع ہوا تو بعض لوگ اس کے آخری تین نمبر یا پھر شروع کے تین نمبر 786 رکھتے تھے، بعض لوگ اپنی ای میل، آئی، ڈی میں پاس ورڈ کا نمبر بھی 786 رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں نے حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ سے سوال کیا کہ حضرت! یہ کہا جاتا ہے کہ ''ہرے رام ہرے کرشنا،، کا عدد بھی 786 بنتا ہے، اس لئے 786 کا استعمال مسلمان کو نہیں کرنا چاہئے، اس پر حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس انداز سے اگر دیکھنے جائے تو صرف ''ہرے رام ہرے

کرشنا،، کیا اور بھی دیگر مذاہب کے کچھ ایسے سلوگن مل سکتے ہیں جس کا عدد ایک طرح کا ہوسکتا ہے، نیز فرمایا کہ اس کے بابرکت ہونے میں کیا اشکال ہوسکتا ہے۔

(۲) والد مرحوم دوسرا کام یہ کرتے تھے کہ خط کی پیشانی کے دائیں (سیدھی) جانب لفظ ''قطمیر،، لکھتے تھے اور مجھے بھی اس کے لکھنے کی تاکید کرتے تھے لیکن کبھی آپ نے مجھ سے اس لفظ کے لکھنے کی کوئی وجہ یا حکمت بیان نہیں کی اور نہ ہی میں نے کبھی آپ سے اس بارے میں سوال کیا، پھر جب کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا تو فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے ملفوظات میں پڑھا۔

عرض۔ خط پر ''قطمیر،، کیوں لکھتے ہیں؟

ارشاد۔ یہ ایک تفاؤل (نیک فالی) ہے حفاظت کے لئے کہ خط محفوظ طریقہ سے مکتوب الیہ کے پاس یعنی جس کو لکھا ہے اس کے پاس پہنچ جائے ''قطمیر،، اصحاب کہف کے کتے کا نام تھا جیسے کتا غار پر بیٹھا ہوا تھا کہ کوئی اندر نہ آسکے اسی طریقہ پر ''قطمیر،، لکھ دیا کہ کوئی غیر آدمی اس خط کو نہ دیکھ سکے، نہ پڑھ سکے، جیسے کتے نے ظاہری طور پر اصحاب کہف کی حفاظت کی تھی اس طرح اس خط کی بھی حفاظت ہو سکے (مفہوم) اسی نوعیت کا سوال و جواب حضرت فقیہ الامت کے فتاوی ''فتاوی محمودیہ،، میں بھی موجود ہے۔

خط میں بھی سلام لکھنا سنت ہے

والد مرحوم خط میں 786، اور ''قطمیر،، کے ساتھ خط کے ایک کونے میں تاریخ

مع ماہ وسن لکھواتے تھے،اور دوسرے کونے میں دن کا اندراج کراتے ، بعدہ قدرے بڑے حروف سے 786 کے بالکل نیچے سلام یعنی **السلام علیکم** لکھتے تھے۔

خط میں سلام لکھنا یہ عمل سنت ہے،بعض لوگ سلام کی جگہ ''سلام مسنون،، لکھتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ وہ بھی جانتے چلتے ہیں۔

دارالعلوم دیو بند کی ویب سائٹ پر سوال نمبر 7875 ہے

سوال ۔(۱) سلام کرنا سنت ہے یا فرض؟ (۲) جب کسی مسلمان بھائی سے ملتے ہیں تو **السلام علیکم** کہتے ہیں، کیا خط وکتابت کرتے وقت ہم ''سلام مسنون ،، لکھ سکتے ہیں؟

جواب (۱) سلام کرنا سنت ہے،اسلام کا شعار ہے،موجب اجر و ثواب ہے،مسلمان کے حق واجب کی ادائیگی ہے۔

(۲) خط وکتابت میں بھی **السلام علیکم** لکھنا چاہئے ، زبان سے **السلام علیکم** کہہ کر ''سلام مسنون،، لکھ دیا تو بھی حرج نہیں ہے،حاصل یہ کہ سلام مسنون لکھ سکتے ہیں مگر **السلام علیکم** لکھنا زیادہ بہتر ہے۔

انتباہ۔خط میں اگر کسی نے سلام کی جگہ ''سلام مسنون،، یا ''تسلیمات،، لکھا ہو تو چونکہ اس سے سلام کے سنت کی ادائیگی نہیں ہوتی لہذا اس کا جواب دینا بھی واجب نہیں، ہاں! اگر کوئی زبانی سلام کہہ کر پھر اس کی جگہ ''سلام

مسنون،،یا تسلیمات لکھتا ہے تو اس کی گنجائش ضرور ہے۔

اس کے بعد خط کی شروعات اس طرح کرتے تھے

naik naam daar neki na karnar khair khusina hamara kagar(patr)na wanchnar wahala ane piyara---------------------------allahpak ni zaat thi ummid ane dua che ke tame badha ghar ma sari maja ma haso,allahpak tamune khoob naraey tan durusti diye,ane allahpak tamara jaan, maal, umer, sihat, izzat aabru ane naik aamal ma khoob barkat aape,aamin

ahiya hamu badha pan allahpak na fazlo karam ane tamari dua thi kheyro aafiyat thi chiey.

بعدہ جو اصل بات ہوتی اس کو تحریر کرتے،خط کے اخیر میں یہ جملے لکھتے تھے کہ

thodu lakhyu che,wadhu vichari wanchso,kai bhool chook thai gai hoy to dil thi maaf karso.

معافی

کسی شئے کی نہیں کوئی تلافی بس معافی

صدائے اشک و خوں ہے بس معافی

آدمی کیسا بھی ہو اس سے بھول چوک ہو ہی جاتی ہے، کہتے ہیں insan matr bhool ne paatr بقول شاعر

سڑک کتنی بھی صاف ہو دھول تو ہو ہی جاتی ہے

انسان کتنا بھی اچھا ہو بھول تو ہو ہی جاتی ہے

ماضی قریب کے لوگوں میں بھی اپنے اجداد کی طرح یہ عادت اچھی تھی کہ وہ معافی مانگنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے تھے اور سامنے والا بھی معاف کرنے میں تکلف سے کام نہیں لیتا تھا، اس لئے رشتوں میں پختگی تھی اور واقعی معافی مانگنے اور معاف کر دینے سے زندگی پرسکون گذرتی ہے، بقول شخصے

کچھ اس طرح سے میں نے زندگی کو آسان کرلیا

کسی سے معافی مانگ لی کسی کو معاف کردیا

کہتے ہیں کہ

jiyar thi E lastic wara kapra paherwana rawadey chadhyo che

manas(insan)bandh chodh karwuj bhooli gayo

che.

خط کا جواب دینا چاہیے

تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس شخص کے پاس کسی کا خط آئے اس کے لئے مناسب ہے کہ اس کا جواب دے کیونکہ غائب کا خط حاضر کے سلام کے قائم مقام ہے، اسی لئے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ وہ خط کے جواب کو جواب سلام کی طرح واجب قرار دیتے تھے (علمی مکاتیب ص۴۲ بحوالہ معارف القرآن)

علامہ مناویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ خط کے جواب دینے کی تاکید آئی ہے، اس لئے کہ اگر خط کا جواب نہ دیا جائے تو (بعض اوقات) وسوسے پیدا ہوجاتے ہیں، اسی لئے کہا گیا۔

اذا کتب الخلیل الی الخلیل   فحق واجب رد الجواب

اذا الاخوان فاتهم التلافی   فما صلة باحسن من کتاب

جب دوست کسی دوست کو خط لکھے تو اس کا جواب دینا واجب ہے، جب بھائیوں میں ملاقات کا سلسلہ فوت ہوجائے تو خط وکتابت سے زیادہ بہتر کیا چیز ہوسکتی ہے (علمی مکاتیب ص۴۲ بحوالہ فیض القدیر)

لطف کرکٹ تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے شریف بخت تو نے یہ کھیل کھیلا ہی نہیں

تین بچے

پہلا بچہ۔

پڑھنے لکھنے میں رکھا کیا ہے
کھیل کود میں بڑا مزہ ہے
ہے بوجھ کتابوں کاپیوں کا
چھٹا ہے ساتھ ساتھیوں کا
گھر کا کام نہ کر کے لاؤ
مار استاذ سے روز کھاؤ
پڑھنے لکھنے میں رکھا کیا ہے

دوسرا بچہ۔

کون کہتا ہے مرے بھائی
پڑھنے لکھنے میں ہے برائی
کام کرکے اگر نہ لاؤ
کیسے پھر تم نہ مار کھاؤ
سارا عالم یہ جانتا ہے
پڑھنے لکھنے میں فائدہ ہے

تیسرا بچہ۔

کھیل سے کون روکتا ہے
کون بے کار ٹوکتا ہے
کھیل بھی ہے بہت ضروری
وقت اس کا مگر جدا ہے
تینوں بچے ایک ساتھ
کھیل کود میں بڑا مزہ ہے
پڑھنے لکھنے میں فائدہ ہے

(کلیات عادل)

کرکٹ سے میرے جنون کی کچھ کہانی

کرکٹ سے میری شناسائی اور محبت پرانی ہے، بچپن ہی سے کرکٹ میرے خون میں رچا بسا تھا، کبھی ناک پر کرکٹ بال لگنے سے نکسیر پھوٹی تو کبھی بال منہ پر لگنے سے منہ خون سے بھر گیا اور اس پر مزید یہ کہ بندہ اپنی کرکٹ ٹیم کی روح یعنی کپتان بھی تھا، کپتانی شاید شروع سے ہی میرے مقدر میں لکھی تھی، میں پلاسٹک گیند (بول) سے لے کر ربر، ٹینس اور پھر جس کو ہماری طرف سیزن یال ہارڈ بول بولتے ہیں اس کا کپتان رہا، اتنے طویل عرصہ میں مجھے کسی نے کپتانی سے فارغ نہیں کیا کیونکہ (از راہ مذاق) میں ہی کرکٹ بورڈ کا صدر، سلیکٹر، کوچ اور ٹیم کا

manager بھی تھا، کرکٹ کا جنون شاید مجھے میرے ننھیال کی طرف سے ورثہ میں ملا تھا، مرحوم نانا جان احمد بن موسی پانڈور کفلیتوی اور ماموں جان اقبال بن احمد موسی پانڈور کو بھی کرکٹ سے جنون کی حد تک لگاؤ رہا ہے، نانا جان نے جب تک بینائی اور صحت نے ساتھ دیا کرکٹ میں امپائرنگ کی اور جب امپائرنگ سے بھی اپنے کو الگ کیا تو کرکٹ دیکھنے کا جنون پھر بھی نہیں گیا، کفلیتہ اور لاجپور کے گراؤنڈ پر کرکٹ میچ ہوتا تو وہاں ان کی حاضری ضروری ہوتی تھی، مجھے کرکٹ کھیلنے کا جنون تو تھا ہی دیکھنے اور ریڈیو پر commentary سننے کا بھی خوب شوق تھا، کرکٹ کا یہ جنون والد مرحوم کی بیماری پر جا کر ختم ہوا۔

والد مرحوم کا نظریہ

اصل بات جو ذکر کرنی ہے وہ یہ کہ والد مرحوم کا نظریہ یہ تھا کہ ہر چیز اس کے وقت پر زیب دیتی ہے، چھٹی اور فارغ اوقات میں نہ صرف یہ کہ وہ مجھے کرکٹ کھیلنے کی اجازت دیتے تھے بلکہ خود بھی کئی مرتبہ ہمارے ساتھ کرکٹ کھیلتے تھے، نیز ہماری کرکٹ گیم دیکھنے میدان پر بھی آتے تھے، کرکٹ کھیلنے کا جو ضروری سامان ہوتا تھا وہ بھی تقریباً میرے مکان پر ہی رکھا رہتا تھا، جب ہم نے سیزن بول سے کرکٹ کھیلنا شروع کیا تو دوسرے گاؤں سے جو ٹیم ہمارے ساتھ کرکٹ میچ کھیلنے آتی تھی ان کا کھانا بھی اکثر و بیشتر ہمارے گھر پر ہی بنتا تھا، الغرض! والد مرحوم میں کرکٹ کھیلوں اس کے خلاف نہیں تھے، ہاں! اس بات کے ضرور خلاف تھے کہ میں بے

وقت اور مدرسہ کے اوقات میں کرکٹ کھیلوں۔

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

بے وقوفی کہہ لیجئے، شرارت کہہ لیجئے یا کچھ اور جو میں کرتا تھا اور خوب کرتا تھا جس کی وجہ سے والد صاحب کا غصہ اور مار دونوں کا مجھے بھرپور سامنا کرنا پڑتا تھا، اور میری اس حرکت کی وجہ سے ''جامعہ ڈابھیل،، ''مدرسہ مفتاح العلوم تراج،، ''اور دار العلوم اشرفیہ، راندیر سے میرا اخراج بھی ہوتا رہا اور ''ضرب یضرب،، کی گردان کی عملی مشق بھی مجھ پر ہوتی رہی، مگر پھر بھی میرا اس کھیل کو لے کر یہ حال تھا کہ ۔

آپ ہو کہ ترش رو مجھے سزا ہزار دے
یہ وہ نشہ نہیں جسے سختی اتار دے

داغ دہلویؒ کی روح سے معذرت کے ساتھ میرا حال یہ تھا کہ جو لوگ مجھے کرکٹ سے وقت بے وقت دور رہنے کا مشورہ دیتے تھے میں ان سے دل ہی دل میں کہا کرتا تھا کہ ۔

لطف کرکٹ تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے شریف بخت تو نے یہ کھیل کھیلا ہی نہیں

کچھ اشعار میرے اس وقت کے مناسب حال

کرکٹ کو لے کر میرا جو حال تھا اس کی کچھ عکاسی ''کلیات عادل،، میں

جناب عادل صاحب نے کی ہے۔

کھیل رہا ہوں کرکٹ باجی
کھیل رہا ہوں کرکٹ
کام نہ کوئی مجھ سے کہنا
عرض ہے مری پیاری بہنا
مجھ سے ذرا اب دور ہی رہنا
پڑھنے لکھنے کی ہے چھٹی
کھیل رہا ہوں کرکٹ باجی
کھیل رہا ہوں کرکٹ
کھیل میں اتنا ڈوب گیا ہوں
کھانا پینا بھول گیا ہوں
بلّا لے کر دوڑ رہا ہوں
چھوڑ دیئے ہیں لڈو برفی
کھیل رہا ہوں کرکٹ باجی
کھیل رہا ہوں کرکٹ
کرکٹ ایسا کھیل انوکھا
ہر کوئی ہے اس کا شیدا

لگتا ہے مجھ کو بھی اچھا
آ گئی پھر سے مری باری
کھیل رہا ہوں کرکٹ باجی
کھیل رہا ہوں کرکٹ

خوش قسمتی

میں خود کو اس اعتبار سے بھی خوش قسمت تصور کرتا ہوں کہ والد مرحوم نے مجھے اپنا بچپن کُھل کر اور کھیل کر enjoy کرنے دیا، اور ساتھ ہی میری تعلیم سے بھی غفلت نہیں برتی، گویا ان کی تربیت کا انداز مبنی بر اعتدال تھا۔

والد کو اگر میں صحیح ہوں تو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ بچہ کے کھیل کی عمر میں اس کی علمی و دینی تربیت کے ساتھ اس کو کھیل کود سے بھی لطف اندوز ہونے دیا جائے (یہ میری ذاتی رائے ہے) آپ اس سے بخوشی اور بخوبی کھل کر اور دل کھول کر اختلاف کر سکتے ہیں۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ

پڑھو گے لکھو گے تو بنو گے نواب
کھیلو گے کودو گے تو بنو گے خراب

یہ شاید ایسے بچوں کے لئے کہا گیا ہے جو اپنی تعلیم پر توجہ نہیں دیتے، بس صرف کھیل کا کھیل کھیلتے رہتے ہیں، ورنہ بچپن میں تعلیم کے ساتھ کچھ کھیل بھی ہو تو یہ بچے

کی ذہنی نشونما اور اس کی صحت کے لئے بھی مفید ہوتا ہے۔

اعتدال

زندگی کے تین دور ہوتے ہیں (۱) لڑکپن (۲) جوانی (۳) اور بڑھاپا تینوں کو اعتدال کے ساتھ گذارنا چاہیئے، جولوگ اعتدال سے ہٹتے ہیں ان کے حال پر پھر یہ بات صادق آتی ہے کہ ۔

لڑکپن کھیل میں کھویا
جوانی نیند بھر سویا
اور بڑھاپا دیکھ کر رویا

ایسے لوگوں کو خدا عزت نہیں دیتا
جن کی گردن میں خم نہیں ہوتا

ہنسنا ہنسانا کوشش تھی آپ کی
ہر کوئی خوش رہے یہ چاہت تھی آپ کی

(سلام لاچپوری)

نفرت بری بلا ہے نہ پالو اسے
دل میں خراش ہو تو نکالو اسے

(سلام لاچپوری)

بڑے پیار سے سب سے ملتے تھے وہ
مزاج میں ان کے تھی خوب ملنساری

(سلام لاچپوری)

ملنساری

والد مرحوم کے مزاج میں ملنساری تھی،آپ ہر ایک سے محبت سے ملتے تھے، مزاج ایسا تھا کہ فوراً سامنے والے سے گھل مل جاتے تھے،آپ کے تعلقات نہ صرف اہل ایمان سے بلکہ غیر مسلم بھائیوں سے بھی بہت اچھے تھے،لاجپور کے پڑوس میں ایک بستی ہے ''popda''،وہاں بھی آپ کے کئی غیر مسلم بھائیوں سے تعلقات تھے، پوپڑا میں ایک صاحب کی سائیکل repairing کی دکان تھی،آپ اکثر اپنی سائیکل repairing کا کام ان سے ہی کرواتے تھے،نیز وہاں ایک درزی تھا، والد صاحب میرا جوڑا کفنی ازار اور ٹوپی ایک عرصہ تک ان سے ہی سلواتے رہے،اس پر مجھے شاعر کا ایک کلام یاد آتا ہے کہ ؎

عجیب لوگ تھے وہ تتلیاں بناتے تھے
سمندروں کے لئے مچھلیاں بناتے تھے
مرے قبیلے میں تعلیم کا رواج تو نہ تھا
مرے بزرگ مگر تختیاں بناتے تھے
وہی بناتے تھے لوہے کو توڑکر تالا
پھر اس کے بعد وہی چابیاں بناتے تھے
فضول وقت میں وہ سارے شیشہ گر مل کر
سہاگنوں کے لئے چوڑیاں بناتے تھے

ہمارے پڑوسی گاؤں میں دو چار ہندو درزی تھے
وہ سب نمازیوں کے لئے ٹوپیاں بناتے تھے

اے نیچر کے راج دلارے
اے فطرت کی آنکھ کے تارے
محنت کا پھل پانے والے
کاندھے پر ہل لے جانے والے
سب پر حاوی ہمت تیری
سچی ہے یہ شوکت تیری
وقت کو تو غفلت میں نہ کھوئے
کھیت میں تو کانٹوں کو نہ بوئے
گھاس ہے تیرا بستر مخمل
اوڑھنے کو بوسیدہ کمبل
جنگل جھاڑی بستی تیری
شاہ سے بہتر ہستی تیری
تو ہے اور زمانہ تیرا
ہم ہیں اور فسانہ تیرا

(ثاقب کانپوری)

کسانی اوراس کا فائدہ

والد مرحوم خاندانی طور پر کسان تھے، کسان زمین سے جڑا ہوا ہوتا ہے اسے کوئی اپنی جگہ سے جب تک وہ نہ چاہے بزور ہٹا نہیں سکتا، والد مرحوم بھی عزم کے پکے تھے جب وہ کوئی چیز ٹھان لیتے تو پھر انہیں بزور کوئی اپنے ارادے سے ہٹا نہیں سکتا تھا، کسان کے عزم کی فولادی کا ایک نمونہ آج کل ایک مہینہ سے زائد سے چل رہا دہلی بورڈر پر ''کسان آندولن،، ہے، آج بے چارہ کسان روڈ پہ کھڑا ہے اور اس کے کھیت میں بلڈوزر کھڑا ہے۔

کہاں چھپا کے رکھ دوں میں اپنے حصہ کی شرافت
جدھر بھی دیکھتا ہوں ادھر بے ایمان کھڑے ہیں
کیا خوب ترقی کر رہا ہے اب دیش دیکھئے
کھیتوں میں بلڈر سڑک پر کسان کھڑا ہے

ویسے کسان اب جاگ اٹھا ہے، اسے جگانے اور بیدار کرنے کی کوشش تو بہت پہلے سے ہو رہی تھی، شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کسانوں سے کہا تھا۔

بتا کیا تیری زندگی کا ہے راز
ہزاروں برس سے ہے تو خاکباز
اسی خاک میں دب گئی تیری آگ
سحر کی اذاں ہوگئی اب تو خاک

نیز کہا تھا۔

زمانہ میں جھوٹا ہے اس کا نگیں
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں

الغرض! بتانا یہ تھا کہ والد مرحوم ''زمین دار،، تھے مگر پھر وہ ہوا جو نہیں ہونا چاہئے تھا اب وہ کیسے ہوا، کیوں ہوا، کس نے کیا اس کی تفصیل اس لئے کرنا نہیں چاہتا کہ۔

ادھر بھی سارے اپنے ہیں ادھر بھی سارے اپنے تھے
خبر بھی ....کی بھجوائی .... سے نہیں جاتی
جھگڑے کی کہانی تو مختصر ہے لیکن
کہی مجھ سے نہیں جاتی اور سنی ان سے نہیں جاتی

کچھ درد سہے نہیں جاتے
اور کچھ درد کہے نہیں جاتے
ساتھ رہتے ہیں سانس کی طرح
۲۴ سیون کہیں نہیں جاتے

(سلام لاجپوری)

میرا اسلاف سے رشتہ نہ توڑنا تو اے دنیا
سب محل تیرے ہیں لیکن یہ کھنڈر میرا ہے

پرکھوں کی آخری نشانی کو مٹنے نہ دینا

ہمیں گرتی ہوئی دیوار کو تھامے رہے ورنہ

سلیقے سے بزرگوں کی نشانی کون رکھتا ہے

نئے گھروں میں اب چیزیں پرانی کون رکھتا ہے

پرندوں کے لئے آنگن میں اب پانی کون رکھتا ہے

خاندانی جھگڑوں میں ہماری پشتینی جو زمین تھی وہ تو پانی کے داموں بک گئی تھی، جسے پرکھوں نے باوجود غربت وافلاس کے بھی فروخت نہیں کیا تھا، میرے خیال میں اسے بعد میں بھی فروخت نہیں ہونا چاہئے تھا مگر بک گئی، ہمارے پرکھوں کی اب ایک ہی نشانی باقی تھی وہ تھا ہمارا پشتینی مکان، والد مرحوم نے اپنی زندگی کی آخری سانسیں اسی میں لی تھی آپ کا غسل میت بھی اسی مکان میں دیا گیا تھا، والد مرحوم کی زندگی میں جب مکان کا بٹوارہ ہوا تو آپ کو یہ آفر کی گئی کہ مکان اور گاؤں چھوڑ کر قریب کی کسی بستی میں رہائش اختیار کر لے تو وہی بات کہ آپ ''کسان'' تھے اور ''کسان'' اپنی زمین اور مٹی سے جڑا ہوتا ہے وہ اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا، آپ نے اس آفر کو فوراً ٹھکرا دیا اور سامنے والے کو ان کا حق دیدیا، جب آپ کے جسم میں بیماری نے بسیرا کر لیا تو مجھے کئی دفعہ اس بات کی وصیت کی کہ اس مکان میں جن کا حصہ شرعی طور پر لگتا ہے ان کو ان کا حصہ دے دینا اور اپنا یہ پشتینی مکان اگر قسمت یاوری کرے تو تو ضرور خرید لینا کیونکہ گاؤں لاجپور میں اب ہمارے پرکھوں

کی یہی ایک آخری نشانی ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ ''dikra (بیٹا) حوصلہ اور گھونسلہ کبھی مت چھوڑنا، والد مرحوم کی بظاہر چھوٹی (مگر حقیقۃً بہت بڑی) نصیحت نے مجھے اب تک کی زندگی میں اتنا فائدہ اور کام دیا ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتا، نیز فرمایا کہ ان شاء اللہ ایک دن یہ مکان ہمارا ہو جائے گا، اس وقت سے میری منجملہ اور دعاؤں کے ہمیشہ ایک دعا یہ بھی رہی کہ ؎

میرا اسلاف سے رشتہ نہ توڑنا تو اے دنیا

سب محل تیرے ہیں لیکن یہ کھنڈر میرا ہے

بحمد اللہ! اب یہ مکان ہمارا ہے جسے میں نے نام دیا ہے ''ابراہیم منزل،، اللہ تعالی نے میری جو دیرینہ تمنا تھی اسے پورا فرمایا جب میں اس بات کو سوچتا ہوں تو میرا حال یہ ہو جاتا ہے کہ ؎

چھلک جاتی ہیں آنکھیں یہ سوچ کر اکثر

مرے رب کی ہیں مجھ پر عنایتیں کیا کیا

(عنایت علی خان عنایت بتغیر)

بندے نے بھی اپنی اولاد کو نصیحت اور وصیت کی ہے کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی کبھی اپنے آباؤ اجداد کی اس آخری نشانی ''ابراہیم منزل،، کو فروخت مت کرنا ؎

تم اسی میں جینا اسی میں مرنا کبھی اس منزل کو فروخت نہ کرنا (سلام لاچپوری)

تاریکی جب جب ملے کوئی دیا جلاؤ
مشکل میں تم دوستو کام سبھی کے آؤ

نرمی کی تعلیم

دین اسلام صرف انسانوں سے ہی محبت کرنا نہیں سکھاتا بلکہ یہ بے زبان جانوروں سے بھی محبت اور نرمی کی تعلیم دیتا ہے بلکہ جانوروں کے باقاعدہ حقوق بیان کئے گئے ہیں اور اس کی ادائیگی پر اجر وثواب کا وعدہ بھی ہے۔

ترس کھانا سبب مغفرت بن گیا

je bujawe che koai ni pani ni taras

che aa karya gharuj sundar ane saras

khuda ne aawi hati pasand aawi aik ada

rahmt e bari thai hati ae karya par fida

kari didhi hati ae gunahgar ni magfirat

che bukhari sarif ma mojud aa riwayat

(salam lajpuri)

جانور سے حسن سلوک پر اللہ تعالی نے مغفرت کا پروانہ دیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فاحشہ عورت صرف اس وجہ سے بخشی گئی کہ وہ ایک کتے کے قریب سے گزر رہی تھی جو ایک کنویں کے قریب کھڑا پیاسا ہانپ رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ پیاس کی شدت سے ابھی مر جائے گا، عورت نے اپنا موزہ نکالا اور اس میں اپنا دوپٹہ باندھ کر

پانی نکال کر کتے کو پلایا اس پر اس کی بخشش ہوگئی (بخاری شریف)

جانور کے حقوق ادا نہ کرنے پر مواخذہ

جانور سے بدسلوکی پر وعید بھی بیان فرمائی ہے، ایک روایت کا مفہوم ہے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی جانور یا پرندے کو بلا سبب نقصان پہنچایا، یا بلا سبب مارا تو وہ جانور قیامت کے روز خدا سے شکایت کرے گا اور ظلم کرنے والا خدا کے سامنے جواب دہ ہوگا۔

نیز ایک روایت کا مفہوم ہے کہ ایک عورت کو صرف اس بنا پر دوزخ میں ڈال دیا گیا کہ اس نے ایک بلی کو بھوکا رکھ کر جان سے مار دیا تھا۔

جانوروں میں خیر وخوبی

جانوروں کی اہمیت سمجھانے کے لئے قرآن کریم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ متعدد حیوانات کا تذکرہ کیا ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ کئی ایک سورتیں جانوروں کے نام سے موسوم ہیں، اردو شعراء نے بھی بے زبان مخلوق پر سخن آرائی کی ہے، شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کا ایک کلام ہے بعنوان ''ایک گائے اور بکری،، اس کے علاوہ بھی علامہ نے جانوروں پر لکھا ہے،، بچوں کے شاعر کہے جانے والے مولانا اسمٰعیل میرٹھیؒ نے بھی گائے پر ایک بہت پیارا مضمون لکھا ہے کہ ''رب کا شکر کر بھائی، جس نے ہماری گائے بنائی الخ علامہ اقبال کا کلام'' ایک گائے اور بکری،، سے ایک اقتباس جس میں علامہ نے جانور کے فوائد اور انسان کی مطلب پرستی اور جانور کے

ساتھ ناروا سلوک کا انداز بڑے دلنشیں پیرایہ میں کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے ؂

آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے
دودھ کم دوں تو بڑ بڑاتا ہے
ہوں جو دبلی تو بیچ کھاتا ہے

اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
بدلے نیکی کہ یہ برائی ہے
مرے اللہ تیری دہائی ہے

گائے کے تعلق سے مولانا اسمٰعیل میرٹھیؒ کے کلام کا کچھ حصہ بھی پیش خدمت ہے ؂

رب کا شکر ادا کر بھائی
جس نے ہماری گائے بنائی
اس مالک کو کیوں نہ پکاریں
جس نے پلائیں دودھ کی دھاریں

خاک کو اس نے سبزہ بنایا
سبزے کو پھر گائے نے کھایا
کل جو گھاس چری تھی بن میں
دودہ بنی اب گائے کے تھن میں
سبحان اللہ دودہ ہے کیسا
تازہ گرم سفید اور میٹھا
دودہ میں بھیگی روٹی میری
اس کے کرم نے بخشی سیری
دودہ دہی اور میٹھا مسکا
دے نہ خدا تو کس کے بس کا
گائے ہمارے حق میں ہے نعمت
دودہ ہے دیتی کھاکے بنسپت
بچھڑے اس کے بیل بنائے
جو کھیتی کے کام میں آئے
رب کی حمد و ثنا کر بھائی
جس نے ایسی گائے بنائی

جس کی جیسی سوچ وہ ویسی کہانی رکھتا ہے
کوئی پرندوں کے لئے بندوق تو کوئی پانی رکھتا ہے

والد مرحوم کو بے زبان جانوروں سے خوب محبت تھی

جس کی جیسی سوچ وہ ویسی کہانی رکھتا ہے

کوئی پرندوں کے لئے بندوق تو کوئی پانی رکھتا ہے

والد مرحوم کو بے زبان جانوروں سے خوب محبت تھی، گرمی کے موسم میں گھر کے آنگن میں ایک برتن میں پانی بھر کر رکھ چھوڑتے، وجہ اس کی یہ تھی کہ جو بکرے، بکریاں گاؤں میں گھوم پھر رہے ہوتے ان کو جب پانی کی پیاس ستاتی تو وہ پانی کے نل کو دیکھ کر اس کو کھولنے کی غرض سے کہ نل میں منہ مارتے تاکہ نل کھلے اور وہ اپنی پیاس بجھائے، ان کو اس عمل سے دو چار نہ ہونا پڑے اور وہ بآسانی پانی پی سکے اس غرض سے والد مرحوم ہمارے گھر کے آنگن میں کبھی بالٹی تو کبھی بڑے برتن میں پانی بھر کر رکھ دیتے تھے، ویسے ہمارے گھر کے بالکل سامنے چھوٹی سی ایک کنڈی بھی تھی، بڑے جانور جیسے گائے، بیل، بھینس اس میں سے بآسانی پانی پی لیتے تھے، مگر چھوٹے جانور کا قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے وہ اس میں سے پانی نہیں پی سکتے تھے اس لئے والد مرحوم یہ عمل کرتے تھے۔

دیکھو کچن میں آیا کون
چھوٹا سا یہ سایہ کون
چال میں کیسی خاموشی ہے
چپکے چپکے وہ آئی ہے
برتن میں کیا سونگھ رہی ہے
دودھ ہے اس میں یا کہ دہی ہے
چوہوں کی شوقین بھی ہے وہ
تھوڑی سی رنگین بھی ہے وہ
کتے سے وہ گھبراتی ہے
دیکھ کے اس کو کتراتی ہے
بچوں میں گھل مل جاتی ہے
شیر کی خالہ کہلاتی ہے

(کلیات عادل ص۴۷)

بلی سے پیار

آنکھ تری صفت آئینہ حیران ہے کیا

نورِ آگاہی سے روشن تری پہچان ہے کیا

مارتی ہے انہیں پنجوں سے عجب ناز ہے یہ

چڑ ہے یا غصہ ہے یا پیار کا انداز ہے یہ (اقبال)

یہ بھی صدقہ کی ایک قسم ہے

(۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی مسلمان کوئی پودا لگائے یا کھیتی بوئے پھر کوئی انسان یا پرندہ یا چوپایہ اس میں سے کھالیوے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہوگا (بخاری ومسلم)

فائدہ۔ اس سے جاندار چیز کے کھلانے پلانے کا اجر معلوم ہوا۔

(۲) حضرت انسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے سو اللہ کا سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ احسان کرے (بیہقی)

فائدہ۔ مخلوق میں جانور بھی آگئے لہذا جانوروں کو آرام سے رکھنا ان کی خیر خبر رکھنا، ان کو کھلانا پلانا بھی اللہ تعالی کے محبوب اور پیارا بننے کا عمل ہوا۔

کنیت ہی ایک اعتبار سے ان کا نام بن گئی

''بلی''، سے محبت کرنا حضرت ابو ہریرۃؓ کی ''سنت''، ہے، حضرت ابو ہریرۃؓ

کے اصلی نام کے بارے میں علامہ عینیؒ ”عمدۃ القاری ج ا ص ۱۹۳،، پر تحریر فرماتے ہیں کہ اس بارے میں تقریباً تیس قول ہیں، سب سے قریب تر قول یہ ہے کہ ان کا نام ”عبد الرحمٰن،، ہے ”ابو ہریرۃ،، ان کا نام نہیں بلکہ ”کنیت،، ہے جو بارگاہ رسالت سے عنایت ہوئی تھی ”ابو ہریرۃ،، کا معنی ہے ”بلی والا،، یا بلی کا باپ،، کہتے ہیں کہ حضرت کو کہیں سے ”بلی،، کے چھوٹے بچے ملے تو حضرت نے ان ”بلی،، کے بچوں کو اٹھا کر اپنی آستین میں ڈال دیا، اس وجہ سے ان کی کنیت ”ابو ہریرۃ،، پڑ گئی، گویا یہ کنیت ہی ایک اعتبار سے ان کا نام بن گئی۔

بو ہریرۃؓ سے بلی نہ چھوٹ سکی، حسن نظامی سے دلی نہ چھوٹ سکی

”بلی،، پر سے یاد آیا، قیام پاکستان کے بعد خواجہ حسن نظامیؒ کی معاشی حالت بہت کمزور ہوگئی تھی، دوست احباب بھی وداع ہو کر پاکستان پہنچ گئے تھے، دوست کم، دشمن زیادہ ہو گئے تھے، ہر قسم کی مصیبتیں ان پر نازل ہوگئیں، لیکن پھر بھی ان سے ”سلطان جی کا آستانہ،، نہ چھوٹا، اکبر الہ آبادیؒ نے اس موقع پر یہ شعر کہا تھا ؎

بو ہریرۃؓ سے بلی نہ چھوٹ سکی

اور حسن نظامی سے دلی نہ چھوٹ سکی

اچھا! اسی لئے حضرت ابو ہریرۃؓ خواب میں آئے تھے

حضرت ابو ہریرۃؓ اور بلی پر سے ایک مزیدار قصہ یاد آیا، حضرت مفتی محمود صاحب بارڈولی مدظلہ کا بیان ہے کہ استاذ محترم! مولانا سلیمان صاحب چوکسی

مدظلہ العالی ہمارے جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ کی خدمت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ وہ مطبخ سے کھانا لائے اور اس کو روزمرہ کے معمول کے مطابق کسی جگہ پر رکھ دیا، اچانک ''بلی،، نے اس کھانے میں منہ ڈال دیا، خیر! حضرت شیخ نے وہی کھانا تناول فرمالیا، جب سو کر اٹھے تو مولانا سلیمان صاحب چوکسی مدظلہ العالی سے کہنے لگے کہ آج کھانے کے سلسلہ میں کچھ واقعہ پیش آیا ہے، مولانا نے ڈرتے ہوئے کہا کہ جی حضرت! بلی نے کھانے میں منہ مارا تھا، اس پر حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اچھا! اسی لئے حضرت ابو ہریرہؓ خواب میں آئے تھے (تذکرہ حضرت اقدس مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ ص ۲۹۴)

کہتے ہیں سب چوہوں کی خالا اسے

(۱) حضرت مولانا اسمعیل میرٹھیؒ کا کلام

چھوٹی سی بلی کو میں کرتا ہوں پیار

صاف ہے ستھری ہے بڑی ہے کھلار

گود میں لیتا ہوں تو کیا گرم ہے

گالے کی مانند رواں نرم ہے

میں جو نہ چھیڑوں تو نہ جھلائے وہ

میں نہ ستاؤں تو نہ غرائے وہ

کھینچ کے دم اب نہ ستاؤں گا میں

گھر میں سے باہر نہ بھگاؤں گا میں

اب نہ ڈرے گی وہ مری مار سے

کھلیں گے ہم دونوں بہت پیار سے

صحن میں گھر میں کبھی میدان میں

کھیلیں گے در میں کبھی دالان میں

دم کو ہلا میرے پڑے گی وہ پاؤں

بولے گی پھر پیار سے یوں میاؤں میاؤں

دوں گا اسے گیند میں جب آن کر

جھپٹے گی وہ اس پہ چوہا جان کر

تاک لگائے گی دبوچے گی خوب

مار نہٹے اسے نوچے گی خوب

ہم نے بڑے پیار سے پالا اسے

کہتے ہیں سب چوہوں کی خالا اسے (کلیات اسمعیل ص ۱۴۔۱۵)

(۲) میر تقی میر کے کلام کا ایک اقتباس

اک بلی موہنی تھا اس کا نام

اس نے مرے گھر کیا آ کر قیام

ایک دو سے ہوگئی الفت گزیں

کم بہت جانے لگی اٹھ کر کہیں

ربط پھر پیدا کیا میرے بھی ساتھ

دیکھتی رہنے لگی میرا ہی ہاتھ

چھیچھڑا ٹکڑا جو کچھ پایا کرے

فقر مراد یکھ کر آیا کرے

والد مرحوم جس طرح گھر کے باہر جانوروں کے پینے کے لئے پانی کا انتظام کرتے تھے اسی طرح وہ جانور جو کسی بھی گھر میں بغیر ویزا اور بلا اجازت کے گھس آتا تھا اور اب بھی گھس آتا ہے یعنی بلی والد صاحب کو بلی سے بھی خوب پیار تھا آپ بلی کے لئے گھر میں مٹی کے ایک برتن میں دودھ بھر کر رکھ دیتے تھے، بلی آ کر اسے پی لیتی تھی۔

پسر جب حکومت ہی ہو جائے بانجھ
کسی سے کوئی بات بنتی نہیں
تو بھینسوں کو دیتا ہے الزام کیوں
حکومت بھی کھاتی ہے جنتی نہیں

والد مرحوم کا ایک معمول

چچازاد بھائی نے والد مرحوم کے تعلق سے سنایا کہ گھر پر جو جانور پال رکھے تھے بیل، بھینس وغیرہ والد مرحوم کی عادت تھی کہ رات کو نیند سے بیدار ہو کر بھینس کے باڑے میں جس کو ہماری طرف ’’کوڑ،، بولتے ہیں اس میں جا کر دیکھتے تھے کہ جانور کو دانہ، پانی اور چارہ ڈالا گیا ہے یا نہیں۔

والد مرحوم کی پسند

بھینس میں والد مرحوم کو mehsani بھینس پسند تھی، شاید اسے مہسانی بھینس اس لئے کہتے تھے کہ وہ بھینس مہسانہ ضلع سے لائی جاتی تھی، پسندیدگی کی وجہ والد مرحوم یہ بیان کرتے تھے کہ مہسانی بھینس (۱) صحت مند ہوتی ہے (۲) دودھ زیادہ دیتی ہے (۳) اس کا دودھ اور بھینسوں کے مقابلے شیریں و لذیذ ہوتا ہے (۴) پیٹ سے (گابھن) جلدی ہو جاتی ہے (۵) کسی وجہ سے فروخت کرنا پڑے تو اچھی قیمت مل جاتی ہے۔

ایک بھینس ایسی بھی تھی

ہمارے گھر پر ایک بھینس ایسی بھی تھی جو اس کے تھن کو ہمارے گھر کے ایک مخصوص فرد اور ہمارے یہاں ایک ملازم تھا ’’چھگن،، نامی اس کے علاوہ کسی اور کو تھن پر ہاتھ نہیں لگانے دیتی تھی (دوہنے نہیں دیتی) کوئی اور ہاتھ لگاتا تو بدکتی اور لات مارتی تھی، جب گھر کا وہ مخصوص فرد کسی وجہ سے گھر پر موجود نہیں ہوتا اور بھینس

کو دوہنے کا وقت ہو جاتا تو والد مرحوم ملازم کو اس کے گھر جا کر لے آتے تھے یا کسی کو بھیج کر اسے بلواتے تھے، ملازم بہت محنتی اور والد مرحوم کا وفادار تھا، ایک لمبا عرصہ اس نے ہمارے یہاں کام کیا، والد مرحوم بھینس کے گلے میں دڑو danru ڈالے رکھتے تھے۔

پشو دھن

پسر جب حکومت ہی ہو جائے بانجھ
کسی سے کوئی بات بنتی نہیں

تو بھینسوں کو دیتا ہے الزام کیوں
حکومت بھی کھاتی ہے جنتی نہیں

والد مرحوم سے ایک لفظ سنا تھا ''پشو دھن،، جانور کو ''پشو دھن،، تصور کیا جاتا ہے جس سے دودھ، دہی، مکھن اور گھی حتی کہ گوبر بھی ملتا ہے یہ تمام چیزیں کسانوں کی آمدنی کا ذریعہ ہیں۔

جو کھانا ہے روٹی تو محنت کی کھا

پسر بھیک کی کھا نہ رشوت کی کھا
جو کھانا ہے روٹی تو محنت کی کھا

تو لیڈر نہیں تو منسٹر نہیں
کہ گھر بیٹھ کہ صرف قسمت کی کھا

چچازاد بھائی نے بتایا کہ والد مرحوم ان سے پوچھتے تھے کہ الیاس! جانور کو دانہ ڈالا یانہیں،ان کو پانی پلایایانہیں،الغرض! جانور کی خوب دیکھ بھال رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمیں ان سے کتنا فائدہ پہنچتا ہے لہذا ہمیں بھی ان بے زبان جانوروں کا خوب خیال رکھنا چاہیئے۔

مزاج ابراہیمی

والد صاحب ہر کچھ دن بعد بھینس اور بیل کو اپنے ہاتھ سے نہلاتے تھے، والد مرحوم کا ایک خاص مزاج تھا اس کی طرف بھی اشارہ کردوں، قاعدے سے تو بھینس اور بیل کو ملازم کو نہلانا چاہیئے تھا مگر آپ کا مزاج یہ تھا کہ گھر کا جو بھی کام ملازم کرر ہا ہو اس میں آپ اس کا ہاتھ بٹاتے تھے، والد مرحوم کو ستھاری کا کوئی کام کرانا ہوتا تو گاؤں کفلیتہ کے دو بڑھئی تھے ان کو کام سپرد کرتے تھے ایک کا نام ''نگین،، تھا دوسرے کا نام میں بھول رہا ہوں، وہ جب اپنا کام شروع کرتے تو والد مرحوم بھی ان کے کام میں ان کی اچھی خاصی help کرتے تھے، یہی معاملہ مستری (ہماری طرف مستری سے مراد بڑھئی لیا جاتا ہے، یہاں مراد ''مستری،، سے وہ ہے جس کو ہماری طرف کڑیا بولتے ہیں کیونکہ اردو میں اس کام کے لئے ''مستری،، کا لفظ استعمال ہوتا ہے) کہ ساتھ بھی تھا دیوار کھڑی کرنا ہو یا اس طرح کا اور کوئی مرمت کا کام کرانا ہوتا اس کام کے لئے عموماً جس مستری پر آپ کی نظر جاتی اس کا نام تو کچھ اور تھا لیکن وہ مشہور ''ادریس کڑیا،، کے نام سے تھا اس کو کام سپرد کرتے، آپ ان

لوگوں کو ان کے ساتھ جو مزدوری طے ہوتی وہ پوری پوری دیتے تھے باوجود اس کے ان کے کام میں برابر ہاتھ بٹاتے تھے، بعض مرتبہ والد صاحب کو اس عمل پر ٹوکا بھی جاتا مگر وہ گھر والوں کی بات پر کان نہیں دھرتے تھے اور اپنے فطری مزاج کی تسکین کے لئے برابر ان کا ہاتھ بٹاتے رہتے تھے اور دن میں کئی مرتبہ چائے سے ان کی تواضع کرتے تھے۔

وہ ملنے آتے تھے تو کلیجہ ساتھ لاتے تھے
تو دستور نبھانے کو رشتہ دار کہتا ہے
بیٹھ جاتے تھے سب اپنے پرائے بیل گاڑی میں
پورا گھر بھی نہ بیٹھ سکے اسے تو ''کار،، کہتا ہے

بیل گاڑی

وہ ملنے آتے تھے تو کلیجہ ساتھ لاتے تھے
تو دستور نبھانے کو رشتہ دار کہتا ہے
بیٹھ جاتے تھے سب اپنے پرائے بیل گاڑی میں
پورا گھر بھی نہ بیٹھ سکے اسے تو ''کار،، کہتا ہے

والد صاحب کے پاس بیل گاڑی تھی، مجھے برابر یاد ہے والد صاحب اس بیل گاڑی میں بٹھا کر ہمیں اپنے ننھیال کفلیتہ لے جاتے تھے، گھر کے تمام افراد اس بیل گاڑی میں بیٹھ جاتے تھے، والد مرحوم ہمیں کفلیتہ شارٹ کٹ راستہ سے لے جاتے، وہ شارٹ کٹ راستہ تھا فی الحال گاؤں لاچپور میں جہاں ''مسجد مریم،، ہے وہاں سے ہوتے ہوئے آگے جا کر ایک تالاب پڑتا ہے جہاں ایک مدت تک بندے نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیزن بال سے کرکٹ کھیلی ہے، وہ ہمارا ہوم گراؤنڈ تھا وہاں سے ہوتے ہوئے کفلیتہ پہنچتے تھے، یہ تالاب اور جگہ وانگرا کے تالاب سے مشہور ہے وہاں سے ہوتے ہوئے کفلیتہ نانا جان کے گھر پہنچتے تھے ،اس وقت شارٹ کٹ راستہ بالکل کچا، تنگ اور ٹیڑھا میڑھا تھا مگر والد صاحب اس راستہ سے بیل گاڑی سے جانے کے عادی تھے اس لئے انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی، بیل گاڑی میں بیٹھنے کا ایک اپنا ہی مزہ ہوتا تھا، اب تو یہ بیل گاڑی گاؤں میں بھی بالکل معدوم ہوگئی ہے، دو تین سال پہلے بندہ اپنے بچوں کو لے کر انڈیا پہنچا

گاؤں میں بہت تلاش کیا کہ کسی کے پاس بیل گاڑی ہو تو اپنے بچوں کو اس پر بٹھاؤں مگر تلاش بسیار کے باوجود میں بیل گاڑی ڈھونڈھنے میں کامیاب نہ ہوسکا، ایک چیز اور میں نے نوٹس کی پہلے گاؤں میں گائے، بھینس کے ریوڑ نظر آتے تھے، مگر اب تو بہت کم نظر پڑتے ہے ''محمد علوی،، لکھتے ہیں ۔

گائے، بھینس کا ریوڑ اب ادھر نہیں آتا

اونٹ ٹیڑھا میڑھا سا اب نظر نہیں آتا

اب گلی میں کتوں کا بھونکنا نہیں ہوتا

رات کو بھوت دیکھ کر چونکنا نہیں ہوتا

اب جدھر بھی جاتے ہیں آدمی کو پاتے ہیں

اب کہاں پہلے سے جانور نظر آتے ہیں

درخت کی فطرت میں ہر حال میں وفاداری ہے
وہ اگر پھل نہیں دے پاتا تو سایہ ضرور دیتا ہے

(سلام لاچپوری)

درخت قدرتی فضائی فلٹر کا کام کرتے ہیں

درخت کی فطرت میں ہر حال میں وفاداری ہے

وہ اگر پھل نہیں دے پاتا تو سایہ ضرور دیتا ہے

(سلام لاجپوری)

انسانی جسم میں جس طرح پھیپھڑے اہمیت رکھتے ہیں اسی طرح زمین پر درختوں کی اہمیت ہے، درخت قدرتی فضائی فلٹر کا کام کرتے ہیں جس کے ذریعہ ہوا کو صاف بنانا ممکن ہے۔

یہ بھی صدقہ کی ایک قسم ہے

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے شجر کاری کو صدقہ قرار دیا ہے، ''شجر،، عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی درخت یا پیڑ کے ہیں، ''کار،، کے معنی کام کرنے کے ہیں، تو ''شجر کاری،، سے مراد ہے ''درخت لگانے کا کام،، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو مسلمان درخت لگائے یا فصل بوئے پھر اس میں سے جو پرندہ یا انسان یا چوپایا کھائے تو وہ اس کی طرف سے صدقہ شمار ہوگا (بخاری شریف)

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شجر کاری کو اتنی اہمیت دی کہ اس عمل کو یہ کہتے ہوئے قیامت تک جاری رکھنے کا حکم فرمایا کہ اگر قیامت کی گھڑی آجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہے اور وہ اس کو لگا سکتا ہے تو لگائے بغیر کھڑا نہ ہو (مسند احمد)

نیز آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو کوئی درخت لگائے پھر اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا رہے یہاں تک کہ وہ درخت پھل دینے لگے، اب اس درخت کا جو کچھ نقصان ہوگا وہ اس کے لئے اللہ تعالی کے یہاں ''صدقہ،، کا سبب ہوگا (مسند احمد) مسلم شریف میں حدیث نمبر ۱۵۳۶ کا مفہوم ہے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہوا سے اس زمین میں کاشت کاری کرنی چاہئے، اگر وہ خود کاشت نہ کرسکتا ہو تو اپنے کسی مسلمان بھائی کو دے تا کہ وہ کاشت کرے۔

والد مرحوم کو شجر کاری سے خوب لگاؤ تھا

والد مرحوم کو شجر کاری سے خوب لگاؤ تھا، ہمارا جو آبائی مکان ہے اس کی لمبائی کافی زیادہ ہے، مکان کی حد اور دوسری تعمیر کے بعد بھی اچھی خاصی جگہ بچتی ہے جس کو ہماری طرف ''واڈو یا واڑو (wado ya (waro) بولتے ہیں، وہاں پر والد مرحوم نے چند پودے لگائے تھے جو وقت گذرنے کے ساتھ تناور درخت کی شکل اختیار کر گئے، مکان کی حد جہاں ختم ہوتی ہے وہاں والد مرحوم نے ''نیم،، اور پیپرڑی کا درخت لگایا تھا، مزدور لوگ اس درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر آرام کرتے تھے، والد مرحوم فرماتے کہ ان کے اس عمل سے مجھے بہت خوشی محسوس ہوتی ہے نیز فرماتے کہ اس طرح ہمیں ان کی دعائیں بھی ملیں گی اور اجر بھی۔

گھر کی سرحد پہ میرے نیم کا ایک گھنا شجر تھا
بیٹھتے تھے اس کی چھاؤں میں راہ گیر والد کو ملتا اجر تھا (سلام لاجپوری)

یہ شجر آج بھی ویسے ہی کھڑے ہیں

کوئی بھی رُت ہو چمن چھوڑ کر نہیں جاتے

چلے بھی جائیں پرندے، شجر نہیں جاتے

والد مرحوم نے گھر کے پچھلے حصہ میں ’’آم،، اور’’coconut،، کے درخت اُگا رکھے تھے، جو آج بھی موجود ہے۔

گھر کے آنگن میں جو درخت کھڑے ہیں

یہ میری عمر سے بھی کچھ. بڑے ہیں

میرے بڑوں نے ان سے خوب لاڈ لڑے ہیں

یہ شجر آج بھی ویسے ہی اپنی جگہ کھڑے ہیں

(سلام لاچپوری)

انسان کے ہاتھوں کی بنائی نہیں کھاتے
ہم آم کے موسم میں مٹھائی نہیں کھاتے

جیسے دام ویسے آم

گرمیوں میں آم ہو جاتے ہیں عام

پیلے پیلے آموں کے بڑھ جاتے ہیں دام

والد صاحب مرحوم کو آم بہت پسند تھے، مگر چونکہ اچھے عام کافی مہنگے ہوتے ہیں، محاورہ ہے کہ ''جیسے دام ویسے آم،، شاعر کہتا ہے ۔

آم پھلوں کا راجہ ہے　　　　دیکھو کتنا رسیلہ ہے

چھلکا اس کا پیلہ پیلہ ہے　　　　آم پھلوں کا راجہ ہے

آم کے درخت لگانے کی وجہ

انسان کے ہاتھوں کی بنائی نہیں کھاتے

ہم آم کے موسم میں مٹھائی نہیں کھاتے

والد مرحوم کہا کرتے تھے کہ میں نے گھر کے پچھلے حصہ میں آم کے درخت اس لئے لگائے ہیں کہ تم کو آم کے موسم میں آم خریدنا نہ پڑے، اور اگر خریدنا بھی پڑے تو گھر کے آم کی وجہ سے تھوڑی بہت پیسے کی بچت ہو جائے، آپ نے آم کے جو درخت بوئے تھے اس میں ایک درخت ایسا بھی تھا کہ اس کا پھل کھانے سے پہلے آپ اللہ کو پیارے ہو گئے ۔

ہم تو محروم رہیں گے اس پھل کی ضیافت سے مگر

بعد والوں کے لئے پیڑ لگا جاتے ہیں

کسی نے خوب کہا ہے ؎

ایک دو پیڑ ہی سہی، کوئی خیاباں نہ سہی

اپنی نسلوں کے لئے کچھ تو بچایا جائے

درخت کاٹنے والا کسی کا دوست نہیں

والد مرحوم نے اس کے علاوہ کچھ اور درخت بھی لگا رکھے تھے مگر کچھ خاص وجہ سے جس کا ذکر کرنا مناسب معلوم نہیں ہو رہا چھوڑ رہا ہوں والد صاحب کو نہ چاہتے ہوئے بھی ان درختوں کو کاٹنا پڑا حالانکہ دل سے وہ درخت کی کٹائی پر راضی نہیں تھے، آپ کی سوچ درخت کی کٹائی کے تعلق سے اخیر تک یہ رہی کہ ۔

اسی کے سائے میں بیٹھا اس کا دوست نہیں

درخت کاٹنے والا کسی کا دوست نہیں

شجر اور شجر کاری کے تعلق سے چند اشعار

کٹ گیا درخت مگر تعلق کی بات تھی

بیٹھے رہے زمین پر پرندے تمام رات

فضا کو صاف بنائیں دھڑکنوں کو مہکائیں

آؤ مل کر اپنے اپنے حصے کا درخت لگائیں

تم نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد

کتنے چپ چاپ سے لگتے ہیں شجر شام کے بعد

اس راستے میں جب کوئی سایہ نہ پائے گا

یہ آخری درخت بہت یاد آئے گا

کل رات جو ایندھن کے لئے کٹ کے گرا ہے
چڑیوں کو بہت پیار تھا اس بوڑھے شجر سے

جس پیڑ کے سایہ میں تھکن دور ہو میری
سوکھا ہی سہی وہ، مجھے درکار وہی ہے

ایک شجر ایسا محبت کا لگایا جائے
جس کا ہمسائے کے آنگن میں بھی سایہ جائے

کوئی بھی رُت ہو چمن چھوڑ کر نہیں جاتے
چلے بھی جائیں پرندے، شجر نہیں جاتے

ہم تو محروم ہیں سایوں کی رفاقت سے مگر
آنے والوں کے لئے پیڑ لگا دیتے ہیں

یوں تو انسان زمانے میں ہیں لاکھوں لیکن
وہی انساں ہے جو انسان کے کام آیا ہے
(مہندر سنگھ بیدی سحر)

ہر بھلائی صدقہ ہے

جس کام سے مخلوق خدا کو نفع پہنچے
وہ کام رب العزت کو پسند ہے
جو افراد کرتے ہیں ایسے کام
ایسے لوگ رب العزت کو پسند ہے

(سلام لاجپوری)

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے یعنی صدقہ کے لئے مال ہی دینا ضروری نہیں ہے اور صدقہ اسی میں منحصر نہیں ہے بلکہ جو بھی بھلائی کسی کے ساتھ کی جائے وہ صدقہ ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کی کسی مصیبت کو زائل کرتا ہے اللہ جل شانہ اس سے قیامت کے دن کی مصیبت کو زائل کرتا ہے، اور جو شخص کسی مشکل میں پھنسے ہوئے کو سہولت پہنچاتا ہے اللہ جل شانہ اس کو دنیا اور آخرت کی سہولت عطا فرماتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص میری امت میں سے کسی شخص کی حاجت پوری کرے تا کہ اس کو خوشی ہو اس نے مجھ کو خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ جل شانہ کو خوش کیا اور جو شخص حق تعالی شانہ کو خوش کرتا ہے وہ اس کو جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔ (فضائل صدقات)

خیر الناس من ینفع الناس

کام جو دوسروں کے آتے ہیں
خدا کو ایسے لوگ خوب بھاتے ہیں
ہوتا ہے اس کا ایک فائدہ یہ بھی
خدا ان کی بگڑی بناتے ہیں

(سلام لاجپوری)

حضرت والد مرحوم کا مزاج یہ تھا کہ کسی کو جس طرح بھی نفع اور راحت پہنچا سکے اس میں دریغ نہیں کرتے تھے، اس کی کچھ مثالیں پیش خدمت ہے۔

(۱) کفلیتہ سے دو بڑھئی گاؤں لاجپور میں بڑھئی کا کام کرنے آتے تھے، وہ شام کے وقت اپنے اوزار کام ختم ہونے تک اسی مکان پہ چھوڑ جاتے تھے جہاں وہ کام کر رہے ہوتے تھے، کام ختم ہونے پر وہ اپنے اوزار وہاں چھوڑ نہیں سکتے تھے، تو جب تک ان کو گاؤں میں دوسرا کام نہیں مل جاتا تھا وہ کچھ خاص اوزار والد صاحب کے پاس ہمارے مکان پر چھوڑ جاتے تھے، تقریباً ہر روز والد صاحب کو ملنے ہمارے گھر پر آتے تھے، والد صاحب چائے سے ان کی تواضع کرتے تھے۔

(۲) سورت سے ایک صاحب ہاتھ لاری لے کر گاؤں لاجپور میں کانچ کے برتن فروخت کرنے آتے تھے، تین چار دن گاؤں لاجپور میں گھوم پھر کر وہ اپنا سامان بیچتے تھے بعدہ کفلیتہ، کچھولی اور سامرود کا رخ کرتے تھے، اس وقت وہ

سامان سے بھری لاری شام کے وقت ہمارے گھر پر ہی چھوڑ جاتے تھے تا کہ ان کو روزانہ شہر سورت سے یہ سامان بھری لاری لے کر نہ آنا پڑے، والد صاحب کی طرف سے ہم تمام بھائی بہنوں کو یہ ہدایت تھی کہ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ کوئی چیز ٹوٹ پھوٹ نہ جائے، بلکہ اس سے اگلی ہدایت یہ تھی کہ اس لاری کے قریب بھی بغیر از ضرورت نہیں جانا ہے، والد صاحب اس عمل کا ان سے کوئی عوض نہیں لیتے تھے، جب وہ لاری لینے ہمارے گھر آتے تھے تو والد صاحب ان کو اپنے ساتھ بٹھا کر چائے پلاتے تھے اور کچھ دیر اس کے ساتھ گفتگو بھی کرتے تھے یقیناً از روئے حدیث یہ عمل بھی صدقہ کی قسم میں داخل ہے۔

کی ہوگی بھلائی کسی سے یہی کام آئے گی
اس زندگی کی بھی اک دن شام آئے گی

نہ نام ونمود نہ شہرت کام آئے گی
کی ہوگی گر نیکی وہی کام آئے گی

اٹھالو حیات سے فائدہ یہ نہ دوبارہ آئے گی
کی ہوگی کسی سے بھلائی وہی کام آئے گی

(سلام لاجپوری)

ایک راستہ سہولت کا

(۳) ہمارے گھر کے پچھلے حصہ میں طالبات کا مدرسہ ہے، طالبات کے مدرسہ

کے ساتھ بالکل لگ کر مرحوم رشید چچاو چھیات کی زمین تھی، اب تو وہاں مکانات تعمیر ہو چکے ہیں، اپنی زمین میں انہوں نے باڑی بنائی تھی اس کی دیکھ بھال کے لئے ان کے گھر والوں کا وہاں آنا جانا رہتا تھا، ان کے گھر کی عورتیں وہاں جانے کے لئے ہمارے مکان سے ہوکر گزرتے تھے، طالبات کے مدرسہ میں جو لڑکیاں پڑھنے آتی تھیں ان میں سے کچھ لڑکیاں بھی ہمارے مکان سے ہوکر گزرتی تھی، نیز قاری عبدالعزیز ملا مرحوم کا مکان ہمارے مکان سے ذرا فاصلے پر تعمیر ہوا تو ان کے گھر کی خواتین بھی گاؤں میں ان کو پیدل جانا ہوتا تو ہمارے مکان سے ہوکر ہی گزرتی تھیں، چونکہ مین شاہراہ کو اختیار کرتے تو کافی لمبا چکر کاٹنا پڑتا ان کو۔

لاجپور چار راستہ تک پہنچنے کا شارٹ کٹ راستہ

مکان کے پیچھے طالبات کے مدرسہ کے ساتھ سعید چچا کا سوجی کی باڑی ہے وہ جگہ پہلے چٹیل میدان تھی اس میں گاؤں کے لڑکے کرکٹ اور والی بال کھیلتے تھے، نیز لاجپور، کفلیتہ کچھولی اور سامرود کی بعض خواتین بھی جب پیدل لاجپور آتی تھیں ڈاکٹر کریٹ بھٹ کے شفاخانہ میں دوائی لینے یا اور کسی کام سے گاؤں میں ان کا آنا ہوتا تو وہ لاجپور چار راستہ پر اتر کر جس راستہ کا میں نے ذکر کیا اسے اختیار کرتی تھیں، نیز جاتے وقت بھی اسی راستہ کو اختیار کرتی تھیں، لاجپور چار راستہ تک پہنچنے کا یہ شارٹ کٹ راستہ تھا، تو وہ خواتین ہمارے مکان سے ہوکر ہی گزرتی تھیں۔

قابل رشک جذبہ

والدمرحوم کواڑوس پڑوس اور محلے میں سے کوئی کسی ضروری کام کے لئے کہتا تو آپ منع نہیں کرتے تھے بخوشی اس کام کوانجام دیتے تھے،آج بھی والدمرحوم کی اس عادت کواہل محلّہ یاد کرتے ہیں۔

تلاش میں مدد

گاؤں کا ایک لڑکا حافظ قرآن بن رہا تھا کسی وجہ سے مدرسہ سے بھاگ گیا تھا اس کے گھر والے بہت پریشان تھے، والدمرحوم سے انہوں نے درخواست کی کہ اس کی تلاش میں مدد کرے، والدصاحب نے حامی بھری اوراس کوتلاش کر کے لے آئے بعد میں وہ طالب علم ماشاءاللہ عالم دین ہوئے۔

کسی کا دبا کر حق کتنے دنوں تک کھائیں گے؟
ایسا کیا تو سوچو خدا کو کیا منہ دکھائیں گے؟
ایک دن آنا ہے کہ مر جائیں گے
پھر اپنے کئے پر پچھتائیں گے
مال وارثین کھائیں گے
جہنم میں سزا مجرمین پائیں گے

(سلام لاچپوری)

خدا ہوتا ہے ناراض ان خصلتوں سے

کسی کا مال ناجائز اور ناحق کھانے سے

خدا ہوتا ہے ناراض ان خصلتوں سے

چاہئے بچنا اہل ایمان کو ان عادتوں سے

خدا ہوتا ہے ناراض ان خصلتوں سے

اگر ماضی میں کیا ہے کچھ ایسا

تو کر لیجئے توبہ ان گناہوں سے

حق داروں کا حق لوٹا دیجئے ایمانداری سے

خدا کر دے گا معاف یہ وعدہ ہے اس کا تائبوں سے

(سلام لاجپوری)

ہماری مالکی کی جگہ

ہمارے آبائی مکان کے ایک پڑوسی کو انگلش toilet بنانا تھا اس کے لئے ان کو جگہ تنگ پڑ رہی تھی، انہوں نے والد مرحوم سے گذارش کی کہ آپ کی زمین کا کچھ حصہ اگر آپ استعمال کے لئے دیدے (صرف استعمال کے لئے مالکی کے طور پر نہیں) تو انگلش toilet تیار ہو جائے گا، یہ جگہ ہمارے گھر کا کچن جہاں ختم ہوتا ہے اس سے ایک دو ہاتھ چھوڑ کر ہے، والد مرحوم نے جیسا کہ ان کا مزاج تھا فوراً حامی بھرلی اس طرح ان کا انگلش toilet تیار ہو گیا، آج بھی وہ اسی حالت میں ہے

toilet کا کچھ حصہ ہماری زمین میں واقع ہے، یہ جگہ والد مرحوم نے ان کو بغیر کسی معاوضہ کے صرف اور صرف استعمال کے لئے دی تھی اس پر اپنا خود کا مالکانہ حق باقی رکھتے ہوئے یہ جگہ آج بھی ہماری ہی ہے۔

دور حاضر کا مزاج

اب تو ایسے لوگ عنقاء ہوتے جا رہے ہیں اور اس کی وجہ بھی ہے کہ آج تو کسی پر کچھ احسان کرو تو وہی ہمیں دن میں تارے اور رات میں سورج دکھاتا ہے، ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ اب تو لوگ اتنے نیچ ہوتے جا رہے ہیں کہ ظلماً ایک انچ جگہ بھی چھین سکتے ہو تو وہ اس عمل سے گریز نہیں کرتے،، اب نہ لوگوں میں اللہ تعالی کا کوئی خوف باقی رہا ہے اور نہ معاشرے اور لوگوں کی شرم و لحاظ کا پاس الا ماشاء اللہ۔

ان لکل دین خلقا، وخلق الاسلام الحیاء

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بالکل بجا ہے، فرمایا کہ ''**اذا لم تستحی فافعل ما شئت**،، نیز فرمایا کہ ''**ان لکل دین خلقا، وخلق الاسلام الحیاء**،، ہر دین کا ایک امتیازی وصف ہے اور اسلام کا امتیازی وصف شرم وحیاء ہے، شیخ سعدیؒ کا ملفوظ ہے ''بے حیا باش وہر چہ خواہی کن،، بے شرم بن جاؤ پھر جو چاہے کرو،، آج کل یہی کچھ ہو رہا ہے جس پر رحم اور مہربانی کرو وہی ہم سے بے وفائی اور غداری کرتا ہے۔

بچوں کا رونا باپ سے دیکھا نہیں جاتا
اس کی جدائی کا غم بالکل سہا نہیں جاتا
وہ اسے اپنے سے کبھی جدا کرنا تو نہیں چاہتا
مگر اس سے چاہ کر بھی یہ عمل کیا نہیں جاتا

(سلام لاچپوری)

بیٹیاں کہاں ہر ایک گھر میں ہوتی ہے
خوش قسمت ہے وہ گھر جس میں ہوتی ہے
لوگ کہتے ہیں بیٹیوں کا کوئی گھر نہیں ہوتا
میں کہتا ہوں بیٹیوں کے بغیر تو مکمل گھر نہیں ہوتا
بیٹیاں تو دلوں میں گھر کر لیتی ہے
جہاں ہوتی ہے اسے خوشیوں سے بھر دیتی ہے
ہر غم کو خوشی خوشی سہنا اسے آتا ہے
غم کو کیسے چھپانا ہے اسے آتا ہے
سسرال اور میکے دونوں کی دیکھ بھال کرتی ہے
نہیں دونوں میں کبھی کوئی بھید بھاؤ کرتی ہے
ہوتا اس کا دونوں جگہوں سے ناتا ہے
رشتہ نبھانے کا فن اسے آتا ہے
ہے سلام کی نصیحت سدا یاد رکھ
بیٹیوں کا جہاں تک ہوسکے دل شاد رکھ

(سلام لاجپوری)

سچ پوچھوتو بیٹی بہت ہی اچھی ہے

بیٹا بھی اچھا بیٹی بھی اچھی ہے
سچ پوچھو تو بیٹی بہت ہی اچھی ہے
پڑھ کے روز جو گھر کو واپس آتی ہے
گھر کے کام میں ماں کا ہاتھ بٹاتی ہے
پڑھ کے نماز تلاوت قرآن کرتی ہے
حق کے نور سے صورت اور دمکتی ہے
ہاتھ اٹھا کر جب وہ دعائیں ہیں کرتی
مجھ کو میری امی جیسی ہے لگتی

جب میں سفر سے لوٹوں فوراً آتی ہے
چوم کے ہاتھوں کو سر پر پھرواتی ہے
ہاتھ دھلا کر کھانا لے کر ہے آتی
جب تک ختم نہ کرلوں اٹھ کے نہیں جاتی
جتنی بار بھی مانگوں پانی لاتی ہے
میری دید سے اپنی پیاس بجھاتی ہے
بچپن سے ہی بات یہ اس کو ازبر ہے
ماں باپ کو دیکھنا نفلی حج سے بہتر ہے

بھائی نہ پوچھے جھوٹے منہ گو اس کا حال
اس کی ضرورت کا رکھتی ہے پھر بھی خیال
جوتے پالش کپڑے استری کرتی ہے
باپ کی لاڈلی ہے پر اس سے ڈرتی ہے
بیٹیوں کی فطرت ہے خوش خوش رہنا
کر کے سب کی خدمت ہے خوش خوش رہنا
دنیا کا دستور نبھانا پڑتا ہے
بیٹیوں کو سسرال تو جانا پڑتا ہے
دکھ سسرال میں چپکے سے ہے سہہ جاتی
کب اپنے میکے میں ہے کچھ بتلاتی
الٹا ان کی توصیفیں ہی کرتی ہے
شوہر کی بس تعریفیں ہی کرتی ہے
بیشک جتنی مشکلیں جان پہ بن آئیں
صبر و رضا کے سانچے میں یہ ڈھل جائیں
گیلانی ان بیٹیوں کی عظمت کو سلام
ان کے پیار ایثار وفا و الفت کو سلام

(سید سلمان رضا گیلانی)

بیٹیاں گھر کی رونق اور گھر کی بہار ہوتی ہے،جس گھر میں بیٹی نہ ہو وہ گھر ہر طرح کی آرائش وآسائش کے باوجود ادھورا لگتا ہے،بیٹی کو اپنی زندگی میں کئی روپ اختیار کرنے پڑتے ہیں اور یہ اس کا ہی حوصلہ ہے کہ وہ ہر روپ اور ہر رول میں کھری اور پوری اترتی ہے،بیٹی خاص طور پر والد سے بہت قریب ہوا کرتی ہے گرچہ عام طور پر والد اس کا اظہار نہیں کرتے،میری چار بہنیں ہیں والد مرحوم کو اپنی تمام ہی بیٹیوں سے خوب محبت تھی،والد مرحوم اپنی بیٹیوں سے محبت کا اظہار بھر پور انداز میں کرتے تھے۔

بچوں کا رونا باپ سے دیکھا نہیں جاتا

میں اور میری دو بڑی بہن نے بچپن کا کچھ حصہ اپنے ننھیال کفلیتہ میں گذارا ہے،والد مرحوم ہر دو چار روز بعد لاجپور سے سائیکل پر ہمیں ملنے کے لئے کفلیتہ تشریف لاتے تھے،والد صاحب جب ہمیں مل کر لاجپور جارہے ہوتے تو میری بڑی بہن آپ سے لپٹ جاتی تھی (سات،آٹھ سال کی اس کی عمر ہوگی) آپ سے ضد کرتی تھی کہ کچھ دیر آپ اور رک جایئے،والد مرحوم اس کی محبت اور ضد کے آگے بے بس ہوجاتے تھے اور جب تک وہ خود اس کی اجازت نہ دیتی کہ اب آپ تشریف لے جائیں وہاں تک والد مرحوم گھر نہیں جاتے تھے حالانکہ آپ سے کہا بھی جاتا کہ ابراہیم بھائی! آپ چلے جائے یہ تھوڑی دیر روکر چپ ہوجائے گی،اس پر والد مرحوم فرماتے تھے کہ نہیں بچوں کو روتا ہوا چھوڑ کر نہیں جانا

چاہئے، نیز فرماتے کہ میں اس کو اس حالت میں چھوڑ کر جاؤں گا تو پورا راستہ مجھے
بھی چین نہیں آئے گا، احقر کی رباعی ہے ۔

بچوں کا رونا باپ سے دیکھا نہیں جاتا
اس کی جدائی کا غم بالکل سہا نہیں جاتا
وہ اسے اپنے سے کبھی جدا کرنا تو نہیں چاہتا
مگر اس سے چاہ کر بھی یہ عمل کیا نہیں جاتا

بیٹیاں ماں باپ کے لئے مثل مہمان ہوتی ہے

کچھ عرصہ بعد ہم مستقل طور پر والدین کے ساتھ رہنے کے لئے لاچپور آگئے، کسی بات پر والدہ بہنوں کو ڈانٹ دیتی تھی تو والد مرحوم فرماتے کہ بیٹیوں کو ڈانٹا مت کرو یہ تو ہمارے ساتھ اور ہمارے پاس کچھ سالوں کی مہمان ہے یہ تو بیاہ کر پھر دوسرے گھر چلی جائے گی، نیز فرماتے کہ بیٹیاں تو پرندوں کی طرح ہوتی ہے کچھ مدت کسی درخت پر بسیرا کیا اور پھر دوسری جگہ اپنا مسکن بنالیتی ہے، میری تمام بہنیں ہمیشہ والد کے اردگرد منڈلا رہی ہوتی تھیں، وہ ان کو جب تک ان کے پاس تھیں اپنے سے جدا کرنا نہیں چاہتے تھے، ہمارے خاندان کی کچھ لڑکیاں عالمہ بننے کے لئے یعنی علوم آلیہ کے حصول کے لئے مالیگاؤں میں جو بنات کا مدرسہ ہے وہاں داخل ہوگئی تھیں میرے والد سے بھی اس بارے میں کہا گیا کہ آپ بھی اپنی بیٹیوں کو ان کے ہمراہ مالیگاؤں بھیجدے یہ بھی عالمہ بن جائے گی، والد مرحوم بہنوں کو اپنے

سے اتنا جلدی جدا کرنا نہیں چاہتے تھے فرماتے کہ ان کو تو کچھ سال بعد ہمیں چھوڑ کر چلے ہی جانا ہے لہذا میں ان کو اپنے سے اتنا دور کرنا نہیں چاہتا، ہاں! ان کی ضروری دینی تعلیم کے لئے گاؤں لاجپور میں جو بنات کا مدرسہ ہے اس میں وقت آنے پر ان کو داخل کرادوں گا۔

بیٹیاں ماں باپ کے گھر میں ہو کر بھی
ماں باپ کے لئے مثل مہمان ہوتی ہے
بیٹیوں کو اپنے لئے کبھی بوجھ نہ سمجھنا
وہ تو ماں باپ کی بڑی قدردان ہوتی ہے

(سلام لاجپوری)

ان سے قائم ہے تقدس بھی ہمارے گھر کا
صبح کو اپنی نمازوں سے یہ مہکاتی ہے
بیٹیاں ہوتی ہے پر نور چراغوں کی طرح
روشنی کرتی ہے جس گھر میں چلی جاتی ہے
اک بیٹی ہو تو کھل جاتا ہے گھر کا آنگن
گھر وہی رہتا ہے پر رونقیں بڑھ جاتی ہے
فاطمہ زہراء کی تعظیم کو اٹھتے تھے رسول
محترم بیٹیاں اس واسطے کہلاتی ہے

بیٹیاں خدا کی رحمت اور گھر کی رونق ہوتی ہیں

بیٹیاں سب کے مقدر میں کہاں ہوتی ہیں

گھر خدا کو جو پسند آئے وہاں ہوتی ہیں

(علی زریون)

بیٹیاں خدا کی رحمت اور گھر کی رونق ہوتی ہیں، بیٹیوں کے بغیر گھر ویران اور سنسان ہوتا ہے، میرا ایک جاننے والا ہے اس کے پانچ بیٹے ہیں، کوئی بیٹی نہیں ہے وہ ابھی دو دن پہلے مجھ سے کہنے لگا کہ میرا جو سب سے چھوٹا بیٹا ہے (تقریبا آٹھ، نو سال عمر ہوگی) وہ روزانہ افطار کے وقت خدا تعالی سے یہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالی اسے اس کی بہن دے تا کہ وہ اس کے ساتھ خوب کھیل کود کرے، تو وہ ہمیشہ اپنی زندگی میں بہن کی کمی محسوس کرتا رہتا ہے، میرے ایک جاننے والے کو اللہ تعالی نے تین بیٹے عطا کر رکھے ہیں وہ مجھ سے کہتا رہتا ہے کہ میرے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالی مجھے بیٹی عطا کرے، واقعی کسی نے سچ کہا ہے کہ ؎

بیٹی کی محبت سے مہکتا ہے گھرانہ

بیٹی تو ہے اللہ کا انمول خزانہ

والد مرحوم کو اپنی تمام بیٹیوں سے خوب محبت تھی

والد مرحوم کو اپنی تمام بیٹیوں سے خوب محبت تھی، وہ کہا کرتے تھے کہ بیٹی تو اللہ تعالی کی رحمت ہوتی ہے، اور فرماتے تھے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی چار

بیٹیاں تھیں اور اللہ تعالی نے مجھے بھی چار بیٹیاں عطا کی ہیں، نیز فرماتے تھے کہ ہمارے نبی کو بھی اپنی تمام بیٹیوں سے خوب محبت تھیں مجھے بھی اپنی بچیوں سے خوب محبت ہے، والد مرحوم نے میری سب سے چھوٹی ہمشیرہ (بہن) کا نام فاطمہ رکھا تھا یہی نام آپ نے کیوں تجویز کیا اس کی وہ دو وجہ بیان کرتے تھے۔

(۱) فرماتے تھے کہ میں نے اپنے چھوٹے بیٹے کا نام ''احمد،، اس لئے تجویز کیا ہے کہ ایک تو میرے نبی کا ایک نام بھی ''احمد،، ہے، دوسرا یہ کہ میرے والد مرحوم کا نام بھی ''احمد،، تھا لہذا اس کا نام میں نے احمد رکھا ہے۔

(۲) میری والدہ مرحومہ کا نام ''فاطمہ،، تھا (یعنی میری دادی کا نام) اس لئے میں نے یہ نام رکھا ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام بیٹیوں میں اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی جن کا نام ''فاطمہ،، تھا خوب محبت تھی اس لئے بھی میں نے یہ نام تجویز کیا ہے۔

مہکتا رہتا ہے دل کا جہان بیٹی سے
زمانے بھر میں بڑھی میری شان بیٹی سے
یہ ضروری نہیں کہ بیٹوں سے نام روشن ہو
مرے نبی کا چلا خاندان بیٹی سے

(جوہر کانپوری)

بیٹی کے نام خط

کہنے کو سنگ دل تھا سارے شہر میں وہ
بیٹی وداع ہوئی تو نمناک ہو گیا
چڑیاں ہوتی ہیں بیٹیاں
مگر پنکھ نہیں ہوتے بیٹیوں کے
میکے بھی ہوتے ہیں
سسرال بھی ہوتے ہیں
مگر گھر نہیں ہوتے بیٹیوں کے
میکہ کہتا ہے بیٹیاں تو پرائی ہیں
سسرال کہتا ہے پرائے گھر سے آئی ہے

(منوررانا)

والد مرحوم کا میری بہن اور اپنی بیٹی کو لکھے خط کا ایک اقتباس

لکھتے ہیں بیٹی .... مجھے تیری بہت یاد آتی ہے، میں تیری تصویر دیکھ کر روتا رہتا ہوں، تو میری فکر مت کرنا، میں ان شاء اللہ تیرے اوپر خط لکھتا رہوں گا، بیٹا! ....کا نکاح جہاں اس کی قسمت تھی طے ہوگیا ہے، دعا کرنا اللہ تعالی اسے سکھی (خوش) رکھے، تو بھی شادی میں ضرور شرکت کرنا، بیٹا! میں نے کچھ غلط لکھ دیا ہو تو معاف کرنا، اپنے گھر والوں کا خوب ادب کرنا، ان کے سامنے اف نہ کرنا،

شوہر کا کہنا ماننا، اسے ناراض نہ کرنا، نماز کی پابندی کرنا، ہر ایک کے ساتھ مل جل کر رہنا، اپنے چچا اور بڑے ابا پر فون کرتی رہنا، بیٹا! میں بولنے سے معذور ہو چکا ہوں اس لئے خط کے ذریعہ ہی بات کرسکتا ہوں، بیٹا! لکھنے میں مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہوتو معاف کرنا، میری دعا ہے اللہ تعالی تجھے ہمیشہ خوش رکھے، میں تجھے اللہ تعالی کے حوالے کرتا ہوں۔

جو رکھتا علم کی طلب ہے
ہوتا خوش اس سے رب ہے
آدم کی فرشتوں پر فضیلت کا
سلام علم ہی بنا سبب ہے

(سلام لاچپوری)

علم کا کوئی کنارہ نہیں ہے
بغیر علم کوئی چارہ نہیں ہے
اے مسلم رکھنا سدا یہ بات یاد
جہالت سے اسلام کا کوئی ناتا نہیں ہے

(سلام لاچپوری)

پڑھنے سے رکھ کام

پڑھنے سے بنتے ہیں اچھے
چاہے ہوں وہ گندے بچے
جھوٹے بھی بن جائیں سچے
چاہے ہوں بدنام
پڑھنے سے رکھ کام

پڑھنے سے ملتی ہے عزت
عزت سے ہوتی ہے شہرت
شہرت سے آتی ہے دولت
ملتے ہیں انعام
پڑھنے سے رکھ کام

دنیا کی ہر چیز سے برتر
علم کی دولت سب سے بڑھ کر
کچھ بھی نہیں ہے اس سے بہتر
ملتے ہے بے دام
پڑھنے سے رکھ کام

پڑھ لکھ کر تو محنت کرنا

انسانوں کی خدمت کرنا
خود غرضی سے نفرت کرنا
ہوگا تیرا نام
پڑھنے سے رکھ کام

میرے چچازاد بھائی الیاس مارویا نے سنایا کہ والد صاحب ان سے خوب محبت کرتے تھے، کندھے پر بٹھا کر گھماتے بھی تھے مگر کبھی میں یہ ضد کرتا کہ مجھے مدرسہ یا سکول نہیں جانا تو وہ میری اس ضد کو پورا نہیں کرتے تھے، زبردستی اٹھا کر مدرسہ وسکول چھوڑ آتے تھے۔

والد مرحوم کو میرے تعلق سے بھی اس بات کا خاص خیال رہتا تھا کہ میں علم دین کے حصول میں کوتاہی نہ برتوں، وہ میری تقریباً ہر ضد پوری کرنے کو تیار رہتے تھے مگر میری ایک ضد کو انہوں نے کبھی پورا نہیں کیا وہ تھا علم دین کے حصول کو ترک کرنے کی ضد، میں نے کئی طرح سے کوشش کی کہ مجھے عالم نہیں بننا ہے مگر والد مرحوم نے اس معاملے میں میری ایک نہ سنی، میں کئی مرتبہ دارالعلوم سے بھاگا بھی ہوں مگر جیسے ہی والد مرحوم کو اس کا علم ہوتا مجھے تلاش کر کے مدرسہ چھوڑ آتے تھے، ایسا بھی ہوا ہے کہ میں مدرسہ سے بھاگ کر گھر آتا تھا تو والد صاحب مجھے کھانا تو دور پانی بھی نہیں پینے دیتے تھے کبھی رکشہ میں بٹھا کر تو کبھی کسی کی موٹر سائیکل پر سوار کر کے مدرسہ چھوڑ آتے تھے۔

میں جب ضد کرتا کہ مجھے عالم نہیں بننا ہے تو فرماتے کہ جاہل رہے گا تو کیا کرے گا جانور چرائے گا، آج والد مرحوم میرے خالو جان سلیمان پٹیلؒ، نانا جان احمد موسی پانڈور، عبدالرزاق ماموں پانڈور اور موسی دادا سیدات کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے کہ ان تمام کی توجہ اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے میں درجہ عالمیت کا مروجہ کورس پورا کرسکا۔

ایک دن میں نے والد مرحوم سے عرض کیا کہ مجھے مدرسہ کا کھانا اچھا نہیں لگتا اس وقت میں ڈابھیل جامعہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، والد صاحب سمجھ گئے کہ یہ کھانے کا بہانہ بنا کر تعلیم ترک کرنا چاہتا ہے، چنانچہ مجھ سے گویا ہوئے کہ کوئی بات نہیں روزانہ عصر کی نماز سے پہلے میں تیرے لئے ڈابھیل جامعہ میں کھانا بھیج دیا کروں گا، اس کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ گاؤں لاجپور میں ایک صاحب جو یوپی سے آکر لاجپور میں مقیم ہوگئے تھے اور لاجپور بیکری کی بسکٹ، نان خطائی، نان، پاؤں اور دیگر چیزیں سائیکل پر رکھ کر ڈابھیل فروخت کرنے جایا کرتے تھے، ان کو ماہانہ کچھ رقم دے دیتے تھے وہ اس کے عوض میرا ٹفن لاجپور سے ڈابھیل جامعہ مجھ تک پہنچا دیتے تھے، پہنچانے کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ مدرسہ میں وضو بنانے کا جو حوض ہے اس کی بناوٹ کچھ ایسی ہے کہ اس کی جو دیوار ہے اس میں بڑے بڑے خانے بنے ہوئے تھے اس میں ایک خاص جگہ وہ میرا ٹفن رکھ جاتے تھے، یہی وہ جگہ ہے جہاں ڈابھیل کے اطراف میں رہنے والے طلباء

جمعرات کے دن دوپہر کی تعلیم سے پہلے اپنا بیگ چھوڑ جاتے تھے اور چھٹی کے بعد یہیں سے اپنا بیگ اٹھا کر گھر کا رخ کرتے تھے، والد مرحوم جب تک آپ کی صحت نے ساتھ دیا جب میں مدرسہ کے لئے نکلتا تو مجھے لاجپور چار راستہ تک چھوڑنے آتے تھے۔

ایک اور بات یاد آئی والد مرحوم کا جب کینسر کا آپریشن ہوا اور آپ کی قوت گویائی ختم ہوگئی اس وقت مجھے ہدایت تھی کہ میں راندیر پہنچکر اس وقت میں راندیر میں زیر تعلیم تھا مجھے آپ کو فون کرنا ہوتا تھا، ہمارے گھر میں تو فون نہیں تھا میں پڑوس میں جن کے ہاں فون تھا ان کے نمبر پر اور کبھی پوسٹ آفس میں جو ہمارے مکان کے سامنے ہی تھا اس وقت اس کے جو ہیڈ تھے وہ والد صاحب کے دوست تھے فون کرتا تھا والد صاحب فون پر آتے اور منہ سے ایک خاص قسم کی آواز نکالتے گویا مجھے یہ بتانا چاہتے تھے کہ میں تیری بات سن رہا ہوں، میں اس سے زیادہ تفصیل نہیں لکھ سکتا نہ ہاتھ کام کر رہے ہیں نہ ذہن اس کے لئے تیار ہے اور آنکھیں ہیں کہ مینہ برسا رہی ہے۔

بروں کی کبھی کر نہ صحبت قبول
بروں میں برا تو بھی ہو جائے گا
یہ دیوار گرنے لگی ہے پسر
تو سائے میں بیٹھا تو پچھتائے گا

برے ساتھی کی صحبت سے روکتے تھے

بروں کی کبھی کر نہ صحبت قبول
بروں میں برا تو بھی ہو جائے گا
یہ دیوار گرنے لگی ہے پسر
تو سائے میں بیٹھا تو پچھتائے گا

والد مرحوم سدا مجھے یہ نصیحت کرتے تھے اور ساتھ اس پر نظر بھی رکھتے تھے کہ میری دوستی کسی برے لڑکے کے ساتھ نہ ہو، سب جانتے ہیں کہ صحبت کا اپنا اثر ہوتا ہے، اسی لئے شریعت مطہرہ نے بھی اس پر خوب زور دیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وسلم قال الرجل علی دين خليله فلينظر احدكم من يخالل** (ابو داود، ترمذی) آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہذا تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

حضرت ابو موسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے دوست اور برے دوست کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا "**مثل الجليس الصالح والجليس السوء كحامل المسک و نافخ الكير فحامل المسک اما ان يحذيک واما ان تبتاع منه واما ان تجد منه ريحا طيبة، ونافخ الكير اما ان يحرق ثيابک، واما ان تجد منه ريحا**

خبیثة(متفق علیہ)اچھے دوست اور برے دوست کی مثال کستوری اٹھانے والے اور بھٹی جھونکنے والے کی مانند ہے،کستوری اٹھانے والا یا تو آپ کو ہدیہ میں دے گا یا آپ اس سے خرید لیں گے،یاکم ازکم اچھی خوشبو تو پائیں گے،جبکہ بھٹی جھونکنے والا آپ کے کپڑوں کو جلادے گا،یاکم ازکم آپ اس سے بدبو پائیں گے،مشہور انگریزی محاورہ ہے a man is known by tha company he keeps کہ آدمی اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے،اور فارسیان کہتے ہیں

اہل را صحبت نااہل زیاں با دارد
آب در کوزۂ ناپختہ گل آلود شود

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں

پسر نوح بابداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد

نیز فرمایا کہ

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

ایک اور جگہ بڑی خوبصورت بات تحریر کی ہے کہ

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست مخدومے بہ دستم

بد وگفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم
و لیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد
و گرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ۔ایک دن حمام میں ایک مہربان کے ہاتھ سے مجھ تک ایک خوشبودار مٹی پہنچی، میں نے اس سے کہا کہ تو مشکی ہے یا عبیری (دونوں اعلی خوشبو کی قسمیں ہیں) کہ تیری دل آویز خوشبو سے میں مست ہوا جاتا ہوں، اس نے کہا میں تو ناچیز مٹی تھی، لیکن ایک مدت تک گل کے ساتھ نشست رہی ہے اور ہم نشیں کے جمال نے مجھ پر بھی اثر کردیا ہے وگرنہ میری ہستی تو محض خاک ہے، اس پر احقر نے لکھا ہے ۔

ہوگا دوست تیرا جیسا
تو بھی ہوگا ویسا
اس لئے نہ رکھ دوست
تو کوئی بھی ایسا ویسا
ہوتا ہے صحبت کا اثر

جانتا ہے یہ بات ہر بشر
کرنا نیک صحبت اختیار
ہوگا تو بھی ویسا ہوگا جیسا یار

دوست کیسا ہونا چاہیئے؟ عادل اسیر دہلوی لکھتے ہیں۔

ظلم کروں تو ٹوک دے مجھ کو
گمراہی سے روک دے مجھ کو
دیکھ لے میری کوئی خطا جب
روٹھ کے مجھ سے ہو خفا تب
پڑھنے کا بھی شوق رکھے وہ
کھیل کود میں آگے رہے وہ
چھوٹوں سے الفت کرتا ہو
بڑوں کی بھی عزت کرتا ہو
اچھے اچھے کام بتائے
خود بھی کرے اور مجھ کو سکھائے
عادل اچھا دوست وہی ہے
سب سے پیارا دوست وہی ہے

(کلیات عادل ص۸۵)

شفا ان کے مقدر میں نہ تھی
مقدرو تک تو ہم دوا کر چکے

شفا ان کے مقدر میں نہ تھی

جیسا کہ پیچھے ذکر کیا والد مرحوم کا کینسر کا آپریشن سورت آنند ہسپتال میں ہوا، آپریشن کے نتیجہ میں جو گانٹھ نکالی گئی وہ نر نہیں بلکہ مادہ تھی، اس کا مطلب یہ تھا کہ کینسر کی گانٹھ پھر دوبارہ نکل سکتی ہے اور ایسا ہی ہوا بھی، ہمیں دوسرا آپشن یہ بتایا گیا کہ مرض کی جگہ لائٹ (بتی) رکھوائی جائے جسے radiotherapy کہا جاتا ہے اس کے لئے میں والد مرحوم کو ہر دوسرے دن نوساری کی گوہل gohil ہسپتال لے جاتا تھا، اللہ تعالی سب کی اس بیماری سے حفاظت فرمائے بلکہ تمام مہلک غیر مہلک بیماری سے حفاظت فرمائے، آمین

والد مرحوم کی اس علاج کے بعد تکلیف اور بڑھ گئی تھی، والد مرحوم کو اس علاج کے نتیجہ میں مرض کی جگہ خوب جلن ہوتی تھی اس سے بچنے کے لئے والد صاحب یہ کرتے تھے کہ زمین پر سو جاتے تھے چونکہ پتھر سرد اور ٹھنڈے ہوتے تھے اس سے آپ کی جلن اور درد میں کچھ افاقہ ہو جاتا تھا۔

والد مرحوم کے علاج کے سلسلہ میں ہم سے جو کچھ ہو سکتا تھا ہم نے اپنی حد تک سب کچھ کیا، کسی نے ہمیں بتایا کہ بمبئ کہ ایک علاقہ کاندی ولی kandivali میں سیال liquid دوائی ملتی ہے جس سے کینسر کے مرض کا علاج ممکن ہے چنانچہ میں خود کاندی ولی گیا اور وہ دوائی لے آیا مگر اس سے بھی کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔

آپریشن کے نتیجہ میں والد صاحب کی قوت گویائی (بولنے کی طاقت) ختم ہوگئی تھی ہمیں بتایا گیا کہ نوساری میں ایک ڈاکٹر ہے جو ایسے مریض کا علاج کرتا ہے جس کے نتیجہ میں مریض کو گفتگو کا ایک خاص طریقہ سکھایا جاتا ہے اس میں آواز تو نہیں نکلتی مگر ہونٹ حرکت کرتے ہیں ہونٹ کی حرکت سے اس کورس میں جو مریض کے ساتھ رہتا ہے وہ سمجھنے لگتا ہے کہ مریض کیا کہنا چاہتا ہے، چنانچہ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ والدہ صاحبہ، بہن اور بندے کو والد صاحب کیا بولنا چاہتے ہیں وہ ہم سمجھ جاتے تھے۔

ہے راہ عدم کی کتنی ہموار انیس
کہ آنکھ بند کئے لوگ چلے جاتے ہیں

کتنا مختصر ہے فسانہ زندگی کا
دو ہچکیوں میں ٹوٹا پیمانہ زندگی کا

قبر کی جگہ اور نیک فالی

جامع مسجد لاچپور کے سامنے جو قبرستان ہے اس میں والد مرحوم کو اپنے والد کی قبر کے قریب (ہمارے دادا جان کی قبر کے قریب) دفن کیا گیا۔

تھا مٹی کا بدن مٹی کے حوالے کر دیا
دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر کر دیا

(سلام لاچپوری)

والد مرحوم کی قبر جس طرف ''خمسہ پیر،، کی قبریں ہیں اس طرف جانے کے لئے جس گیٹ سے داخل ہوا جاتا ہے اس گیٹ سے داخل ہونے کے ساتھ ہی بائیں ہاتھ (الٹے ہاتھ) پر ایک اونچی جگہ ہے جس کو ہماری طرف ''ٹیکری،، بولتے ہے (یہ بھی عجیب اتفاق ہے، گاؤں لاچپور میں بازار محلّہ سے قریب ایک اسٹریٹ ہے جہاں آمنے سامنے چند ایک مکانات بنے ہوئے ہیں، وہاں ہماری بڑی امی کا مکان تھا (جو بعد میں فروخت کر دیا گیا) ایک طرف کے پڑوسی جناب سلیمان چچا کولا مرحوم اور دوسری جانب کے پڑوسی جناب رشید چچا بلبلیا مرحوم تھے، وہاں بھی حضرت والد مرحوم کا فیملی کے ساتھ چند سال قیام رہا ہے، اس محلّہ اور اسٹریٹ کو بھی ''ٹیکری،، بولا جاتا ہے، تو زندگی میں بھی ایک مدت تک ٹیکری پر قیام رہا اور انتقال کے بعد بھی اسی نام کی جگہ بطور قبر حصہ میں آئی) الغرض! والد صاحب کی قبر اونچی جگہ (ٹیکری) پر بنی ہوئی ہے، اسلام میں نیک فالی لینا جائز اور مستحسن ہے،

ہاں! بدفالی کی اجازت نہیں ہے،احقر والد مرحوم کی قبر اونچی جگہ (ٹیکری) پر واقع ہے اس نسبت سے نیک فالی لیتا ہے کہ ان شاء اللہ رحمٰن ورحیم ذات نے بظاہر ان کو قبرستان میں جوان کی آخری آرام گاہ بنی ہے اونچی جگہ پر ہے اسی طرح مالک کائنات والد مرحوم کو ان شاء اللہ جنت الفردوس میں بھی بلند وبالا مقامات سے نوازے گا۔

اسلام میں لینا نیک فالی جائز ہے
یہ عمل نبی سے بھی ثابت ہے
سلام بھی لیتا نیک فالی ہے
ذات خدا خوب عالی ہے
خدا والد کو بہشت میں اونچا مقام دے گا
قبر میں آرام اور حشر میں کوثر کا جام دے گا

(سلام لاجپوری)

آنا ہے ایک دن خاک میں مل جانا ہے
سب کمایا یہیں پہ رہ جانا ہے
ہے دولت ایمان بڑی قیمتی دولت
سلام اسے ساتھ اپنے لے جانا ہے

(سلام لاجپوری)

قیمتی دولت

آنا ہے ایک دن خاک میں مل جانا ہے
سب کمایا یہیں پہ رہ جانا ہے
ہے دولت ایمان بڑی قیمتی دولت
سلام اسے ساتھ اپنے لے جانا ہے

(سلام لاجپوری)

والد مرحوم نے زندگی کی آخری سانس بحالت ایمان لی اور کلمہ پڑھتے ہوئے اس جہان فانی سے رخصت ہوئے، آدمی کا ایمان پر خاتمہ ہو اس سے بڑی کوئی دولت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں ''یا ایھا الذین آمنوا اتقوا لله حق تقته ولا تموتن الا وانتم مسلمون ۔اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ضرور تمہیں موت صرف اسلام کی حالت میں آئے۔

ایمان کی اہمیت کو یوں بھی سمجھایا ''ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھبا ولو افتدی به، اولئک لھم عذاب الیم وما لھم من نصرین ،، بیشک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور کافر ہی مر گئے ان میں سے کوئی اگر چہ اپنی جان چھڑانے کے بدلے میں پوری زمین کے برابر سونا بھی دے تو ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولئک علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین،خالدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون ۔بیشک وہ جنہوں نے کفر کیا اور کافر ہی مرے ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی، ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہوگا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

نیز فرمایا’’ان الذین کفروا لو ان لھم ما فی الارض جمیعا ومثلہ معہ لیفتدوا بہ من عذاب یوم القیمۃ ما تقبل منھم ولھم عذاب الیم،یریدون ان یخرجوا من النار وما ھم بخٰرجین منھا ولھم عذاب مقیم ۔بیشک وہ جو کافر ہوئے جو کچھ زمین میں ہے سب اور اس کی برابر اور اگر ان کی ملک ہو کہ اسے دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھڑائیں تو ان سے نہ لیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، دوزخ سے نکلنا چاہیں گے اور وہ اس سے نہ نکلیں گے اور ان کو دوامی سزا ہے۔

حدیث پاک میں آقائے نامدار تاجدار مدینہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا’’من کان آخر کلامہ لا الہ الااللہ دخل الجنۃ،،(ابوداؤد)

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور تمام مومنین کو وقت موعود پر بحالت ایمان اپنی بارگاہ میں بلائے،خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلویؒ فرماتے تھے کہ دو دعائیں بطور خاص اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو۔

پہلی دعا (منظوم)

یارب جسم میں جب تک کہ میری جان رہے
کچھ تو صدقے تیرے محبوب پہ قربان رہے
کچھ رہے یا نہ رہے یہ دعا ہے کہ میر
نزع کے وقت سلامت میرا ایمان رہے

دوسری دعا۔ یا اللہ چھوٹ جائے ہم نردوس اور پہنچ جائے فردوس

احقر کا یہ بھی معمول ہے وہ بارگاہ ایزدی میں ہاتھ اٹھا کر یہ بھی مانگا کرتا ہے۔

ہے دعا سلام کی رب سے یہی ہر دم
ٹوٹے سانسوں کی لڑی جس دم
ہو اس کا مدفن یعنی ہو جہاں وہ دفن
جنت البقیع جنت المعلی یا ملے خاک وطن

(سلام لاجپوری)

باپ خدا کی بڑی نعمت ہوتا ہے
سایہ ان کا رحمت ہوتا ہے
عجب خوشیوں کا دور ہوتا ہے
باپ ہو تو جینے کا مزہ ہی اور ہوتا ہے

اجمالی نقشہ

یتیمی ساتھ لاتی ہے زمانے بھر کے دکھ عابی
سنا ہے باپ زندہ ہو تو کانٹے بھی نہیں چبھتے

(عابی مکھنوی)

والد مرحوم کے انتقال کے بعد صحیح اندازہ ہوا کہ باپ اولاد کے حق میں کتنی بڑی نعمت ہوتا ہے، والد کی وفات کے بعد جبکہ اولاد کم عمر ہو اولاد کے ساتھ کیا کچھ پیش آتا ہے، انہیں کن کن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس کا مجھے خوب تجربہ ہوا ہے، اللہ تعالی سب کے والد کا سایہ اولاد پر تادیر سلامت رکھے، میں اور میری فیملی جس کرب سے گذری ہے میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا، باپ کا سایہ واقعی بڑی نعمت اور رحمت ہوتا ہے۔

سایہ باپ کا رحمت ہوتا ہے
باپ خدا کی بڑی نعمت ہوتا ہے
سایہ ان کا رحمت ہوتا ہے
عجب خوشیوں کا دور ہوتا ہے
باپ ہو تو جینے کا مزہ ہی اور ہوتا ہے
باپ سب سے بڑا سہارا ہوتا ہے
سوا اس کے کون ہمارا ہوتا ہے

ہر چاہت ہماری پوری کرتا ہے

خاطر ہماری وہ مزدوری کرتا ہے

ہر صبح شروع ہم سے ہوتی ہے

ہر شام بھی ختم ہم پہ ہوتی ہے

وہ پسینہ خاطر ہماری بہاتا ہے

سپنوں کو ہمارے وہی سجاتا ہے

وہ ہم سے کھیلتا ہے، کھلاتا ہے

ساتھ ہمارے ہنستا ہے، ہنساتا ہے

ساتھ اپنے ہمیں گھماتا ہے

جینے کے گر بھی سکھاتا ہے

باپ نہ ہو تو بہت کچھ سہنا پڑتا ہے

کیا بتاؤں کیا کیا سہنا پڑتا ہے

بڑے بیٹے کو باپ کا فرض نبھانا پڑتا ہے

تعلیم چھوڑ گھر والوں کے لئے کمانا پڑتا ہے

ہر غم کو اپنے سب سے چھپانا پڑتا ہے

دل میں ہو غم پھر بھی مسکرانا پڑتا ہے

باپ نہ ہوتو آتی کئی مشکلات ہے

آتی ہر شب وروز غم کی بارات ہے

تھے والد تو زندگی کا پتہ ہی نہ چلا

دن کیسے گذرے پتہ ہی نہ چلا

بعد ان کے غم کسے کہتے ہیں جان گیا

زندگی کا ہر رنگ بخوبی پہچان گیا

سلام .والد کا چلا جانا کم نہیں ہوتا

اس غم سے بڑا کوئی غم نہیں ہوتا

خدا ہر والد کو سلامت رکھے

تا حیات ان کو بحفاظت رکھے

(سلام لاچپوری)

اہم نصیحت

والد مرحوم ایک اہم نصیحت یہ کیا کرتے تھے کہ ایسے کام اور ایسی جگہوں سے بچنا اور اپنے کو بچائے رکھنا جس سے عزت پر داگ آئے، فرماتے تھے کہ دولت جا کر واپس آسکتی ہے، چیزیں ضائع ہو جائے تو واپس خریدی جا سکتی ہے مگر عزت ایسی چیز ہے کہ ایک مرتبہ چلی جائے پھر وہ دوباری نہیں آتی (ملتی)

میاں رسوائی دولت کے تعاون سے نہیں جاتی
یہ کالک عمر بھر رہتی ہے صابن سے نہیں جاتی

(منور رانا)

میری داستان غم میں میری احتیاط دیکھو
تیرا ذکر بھی تو اِس میں کبھی ہے کبھی نہیں ہے

(مہندر سنگھ بیدی سحر)

وراثت میں ہر بار جاگیر اور سونا چاندی نہیں ملتا
کئی بار ذمہ داریاں بھی ملتی ہے

بلاعنوان

زندگی دو لفظوں میں یوں عرض ہے
آدھی قرض ہے تو آدھی فرض ہے

جو بات تحریر کی جاتی ہے اس کا کوئی نہ کوئی عنوان ضرور ہوتا ہے، مگر والد مرحوم کی وفات کے بعد کا میری زندگی کا شروع کا جو دور ہے وہ ایسا ہے کہ میں اس کے لئے کوئی صحیح عنوان کا انتخاب نہیں کر پا رہا ہوں، چونکہ وہ وقت بڑا کٹھن وقت تھا جو ہم نے گذارا ہے، اس لئے میں نے نام دیا ہے بلاعنوان، میری عمر کا اکیسواں سال چل رہا تھا کہ والد مرحوم اللہ تعالی کو پیارے ہوگئے، میں گھر میں تمام بھائی بہنوں میں سب سے بڑا تھا، والد مرحوم کا انتقال ہوا اس وقت تک تین بہنوں کا نکاح ہو چکا تھا،، والد مرحوم کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی وجہ سے والدہ محترمہ ایک بھائی جس کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی اور ایک بہن جس کی عمر دس سال تھی ان کی ذمہ داری کا فریضہ میرے نازک کندھوں پر آ گیا، ایک طرف مجھے درجہ عالمیت کی تکمیل کرنی تھی اس وقت میں عربی پنجم کے درجہ میں تھا، وہیں دوسری طرف گھریلو ذمہ داری کا....... میں عجیب کش مکش میں مبتلا تھا کہ کیا کروں،، طرح طرح کے خیالات آتے تھے، بہر حال اللہ تعالی نے دستگیری کی اور وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ ٹھیک ہوگیا، ہاں! کچھ آزمائشیں آئیں اور بعض بڑی سخت آزمائشیں بھی آئیں، وہ سب تفصیلات پھر کبھی ان شاء اللہ۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ والد دنیا سے جاتے ہیں تو عام طور پر اولاد کو ترکہ میں مال و دولت ملتا ہے مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے (میری طرح) کہ وراثت میں جاگیر اور سونا چاندی نہیں ملتا بلکہ ذمہ داریاں ملتی ہے، مجھے اس پر کوئی گلہ نہیں ہے، میں اللہ تعالی کی تقسیم پر راضی ہوں، البتہ یہ ہے کہ ایسے وقت میں جذبات کی قربانیاں ضرور دینی پڑتی ہے، اور جوانی کے خواب کو پورا ہونے سے پہلے ہی...... پڑتا ہے ۔

خواب تو میرے بھی تھے جوانی کو جی لینے کے مگر
حالات نے مجھے وقت سے پہلے ہی بزرگ بنادیا

دوسری بات یہ ہوئی کہ دنیا کی تلخ حقیقت سے بھی میں بچپن ہی میں آگاہ ہو گیا

ذمہ داریوں کے بوجھ نے کیا کیا سیکھا دیا
عمر سے پہلے دنیا کی حقیقت دکھا دیا

اپنوں کے.....اور غیروں کے......کا بھی خوب تجربہ ہوا مگر ۔

جو گذری ہے اس وقت دل پر ہمارے
چاہ کر بھی ہم تمہیں بتا نہیں سکتے پیارے
کچھ باتیں بس سہنے کے لئے ہوتی ہے
کہاں کسی سے کہنے کے لئے ہوتی ہے
تھا بڑا سخت وہ وقت گذر گیا
گذرتے گذرتے گذرتے گذر گیا

والدین کے تعلق سے مختلف اشعار

ماں باپ سے بھی بھلا ناراض ہونا چاہیے
ان کا تو دل پہ راج ہونا چاہیے
اگر بات ایسی نہیں ہے سلام
تو پھر جلد اس کا علاج ہونا چاہیے

ماں باپ کو کبھی اف نہ کرنا
وہ بول رہے ہو تو چپ نہ کرنا
ادب ان کا دل سے سدا کرنا
کبھی ان کو ناراض تم نہ کرنا

کرو ماں باپ سے بھلائی
جس نے ہمیں دنیا دکھائی
ہماری پرورش کی خاطر
ہر تکلیف انہوں نے اٹھائی

دعا لیتے رہنا ماں باپ کی
ہے یہ دولت بڑے کام کی
سلام انہوں نے ہماری خاطر
اپنی ہر خوشی ہے بخوشی قربان کی

دنیا میں باقی سب رشتے ہوتے ہیں
والدین اولاد کے حق میں فرشتے ہوتے ہیں
ہے وہ اولاد بڑی خوش قسمت سلام
بچوں سے خوش ماں باپ جن کے ہوتے ہیں

ہوتا وہ بچوں پہ فدا ہے
نام جس کا پتا ہے
ہوتی ہے بچوں کو جو بھی ضرورت
دیتے وہ اسے ہی ندا ہے

ماں جس کی زندہ ہے
خوش قسمت وہ بندہ ہے
رکھتا ہے جو ماں کو خوش
نگاہ حق میں وہ پسندیدہ ہے

ماں بچپن میں پلاتی اپنا دودہ ہے
اسے سلانے کی خاطر رات بھر جاگتی خود ہے
جو اولاد ماں کی قدر نہ پہچانے سلام
نگاہ باری میں وہ مردود ہے

ماں باپ بھلے برہم ہوتے ہیں
پر وہ مثل مرہم ہوتے ہیں
باہر سے بھلے وہ سخت دکھتے ہو سلام
پر اندر سے روئی کی طرح نرم ہوتے ہیں

لوگ کہتے ہیں کہ آج ماں کا دن ہے
میں کہتا ہوں کہ ماں بن بھی کوئی دن ہے
کرو ماں باپ کا سدا ادب و احترام
سلام سکھاتا ہمیں یہ بات ہمارا دین ہے

ماں باپ کو بخشی ہے خدا نے بڑی شان
ہے وہ ہمارے محسن کہنا سدا ان کا مان
سلام جو ان کی بات نہ مانے گا
رہے گا وہ پوری زندگی پریشان

صبح ہوتے ہی گھر سے چل دیتا ہے
شام کو بچوں کو لاکر پھل دیتا ہے
وہ باپ ہی ہوتا ہے جو خاطر بچوں کے
اپنی پوری زندگی قربان کر دیتا ہے

ہے بڑی نعمت فادھر مدھر
نہ رکھ ان کی خدمت میں کوئی کسر
ہے وہ خوش نصیب کس قدر
کرتے ہیں جو ماں باپ کی قدر

کرنا والدین کی خدمت خوشی سے
رکھتے ہیں وہ یہ امید تجھی سے
کی ہے بچپن میں انہوں نے
تیری خدمت بڑی خوشی سے

ماں سے رہتی زندگی میں باغ و بہار ہے
ماں ہے تو زندگی کے رنگ ہزار ہے
بچے ماں سے بیزار ہو سکتے ہیں سلام
ماں نہیں ہوتی کبھی بچے سے بیزار ہے

بڑی نعمت ماں باپ ہے
وہ تھے تو ہم اور آپ ہے
نہ دینا کبھی ان کو رنج و غم سلام
نگاہ شرع میں یہ بڑا پاپ ہے

نہ رکھ ماں باپ کو دبا کر
حقوق ان کے سب ادا کر
نہ کرنا آخرت اپنی خراب
ماں باپ کو اپنے ستا کر

صبح ہوتے ہی پرندے اڑ جاتے ہیں
ہوتی ہے شام تو گھر کی طرف مڑ جاتے ہیں
پرندے تو سلام اپنا گھونسلہ نہیں بھولتے
پھر بیٹے کیوں ماں باپ کا در بھول جاتے ہیں

دکھ بزرگوں نے کافی اٹھائے

مگر مرا بچپن بہت ہی سہانا رہا

ان کے سائے میں بخت ہوتے ہیں

باپ گھر میں درخت ہوتے ہیں

تھکی ہوئی مامتا کی قیمت لگا رہے ہیں

امیر بیٹے دعا کی قیمت لگا رہے ہیں

میں جن کو انگلی پکڑ کے چلنا سیکھا چکا ہوں

وہ آج میرے عصا کی قیمت لگا رہے ہیں

ہر شہر میں ہر بستی آباد نہیں ملتی

دیوار تو ملتی ہے بنیاد نہیں ملتی

ماں تو ہر اک اولاد کو ملتی ہے بہت اچھی

ہر ماں کو مگر اچھی اولاد نہیں ملتی

جیب خالی ہو پھر بھی منع کرتے نہیں دیکھا

میں نے پاپا سے امیر انسان کوئی نہیں دیکھا

اگر ہو گود ماں کی تو فرشتے کچھ نہیں لکھتے

جو ممتا روٹھ جائے تو کنارے پھر نہیں دکھتے

زندگی میں کبھی ماں باپ کا برا مت کرنا
ان کو کبھی اپنے سے جدا مت کرنا
تھے بچپن میں وہی ہمارا سہارا
ان سہاروں کو بے سہارا مت کرنا
چاہتے ہو کہ کرے تم سے اولاد وفاداری
تو ماں باپ سے اپنے بے وفائی مت کرنا
دل ان کا دکھا کر اپنے ہی ہاتھوں
دین و دنیا اپنی برباد مت کرنا
جیتے جی ان کی قدر کر لینا
اور دعاؤں سے جھولی اپنی بھر لینا

(سلام لاجپوری)

ماں باپ ہے دنیا کی سب سے بڑی دولت
نہیں ہے اس جیسی کوئی اور دولت
گر ہے کسی کے ماں باپ یا کوئی اک زندہ
ہے بڑا خوش قسمت وہ بندہ
جو کرتا ہے ان کی جانی و مالی خدمت
ہوتی ہے ان کی جان و مال میں برکت
خدا بھی ہوتا ہے ان بندوں سے خوش
جو رکھتے ہیں ماں باپ کو اپنے خوش
باپ ہے جنت کا دروازہ
ماں کے پیر تلے ہیں جنت
ہے دعا ان کی اولاد کے حق میں پہرہ
کرلے خدمت موقع ہے سنہرا

(سلام لاچپوری)

ماں باپ کو کبھی اف مت کرنا
وہ کچھ کہہ رہے ہو تو چپ مت کرنا
کرنا بات ان سے بڑے پیار سے
پالا ہے انہوں نے ہمیں لاڈ پیار سے
نہ ہونا ان سے کبھی خفا
کرنا جیون بھر ان سے وفا
ادب ان کا سدا کرنا
حقوق ان کے تمام ادا کرنا
وہ جو مانگے عطا کرنا
ہو ممکن تو نہ کبھی منع کرنا
ان کی لمبی عمر کی دعا کرنا
ہو جائے گر بیمار تو دوا کرنا
جا چکے ہو گر وہ دنیا سے
لئے ان کے ایصال ثواب کرنا
اور گر ہو سکے تو بسہولت
سلام کو بھی دعا میں یاد کرنا

(سلام لاجپوری)

ماں باپ کی نافرمانی نہ کر
طاقت کے نشہ میں یہ نادانی نہ کر
نہ کر ماں باپ کے ساتھ تو یہ پاپ
تجھے بھی بننا ہے اک روز باپ
جیسی کرنی ویسی بھرنی سنا ہوگا
برائی کا انجام تو برا ہی ہوگا
ماں باپ کے مرتبہ کو سمجھ اے دانا
بڑھاپا تجھ پر بھی ہے اک روز آنا
گنبد کی ہے یہ صدا جب بھی سنوگے
رکھو یاد جیسی کہوگے ویسی سنوگے

(سلام لاچپوری)

کرنا ماں باپ سے بھلائی
جس نے دنیا ہمیں دکھائی
ہماری پرورش کی خاطر
ہر تکلیف خوشی خوشی اٹھائی
کئی بار خود رہ کر بھوکے پیاسے
بھوک پیاس ہماری بجھائی
بچپن میں سلانے کی خاطر
پیار سے لوریاں سنائی
ہم نہ ہو دکھی اور پریشان
مشکلات اپنی ہم سے چھپائی
بڑے لاڈ پیار سے کھلائی
اپنے خون پسینے کی کمائی
سلام نہ دینا ان کو کوئی غم
کہ ہو جائے آنکھیں ان کی نم

(سلام لاجپوری)

رہتا ہے دور تو یہ کام کیا کر
فون سے ماں باپ سے بات کیا کر
کر کے فون ان کو بھائی مرے
حال چال ان کا پوچھ لیا کر
رہتے ہیں وہ ترے قول کے انتظار میں
سوچتے ہیں کیسا ہوگا بیٹا غیر دیار میں
رہتے ہیں وہ ترے سوچ و بچار میں
کرتے ہیں یاد تجھے صبح و شام میں
ہونہ جانا اتنا بزی کام میں
ہے بیٹھا دور کوئی ترے انتظار میں
اب تو ہوتا پاس ترے وہاٹس ایپ ہے
کرتا تو اس پہ دوستوں سے گپ شپ ہے
اور بھی موجود ایسے کئی ایپ ہے
آگئی مارکیٹ میں اس کی اک کھیپ ہے
ہو چاہے دور جہاں بھی بیٹھا بات کر لیا کر
دعاؤں سے ان کی جھولی اپنی بھر لیا کر

ہو ماں باپ گر بوڑھے
تو یہ کام کیا کر
دن رات میں کچھ وقت
انہیں بھی دے دیا کر
بیٹھ کر پاس ان کے
کچھ دیر باتیں کر لیا کر
ہو جب ان کے کھانے کا وقت
وقت پر کھانا دے دیا کر
لیتے ہو گر وہ دوائی
تو دوائی پلا دیا کر
دن رات میں کسی وقت
ہاتھ پاؤں بھی دبا لیا کر
ہے وہ تیری دنیوی جنت
اسے جی بھر کے دیکھ لیا کر
محبت بھری نظروں سے دیکھ کر
نفلی حج کا ثواب پا لیا کر
کرکے ان سے چٹپٹی باتیں

ان کو کچھ دیر ہنسا لیا کر

ہے ان کے جو احسانات

اس پر بھی نظر کر لیا کر

ہے یہ نعمت اب تک موجود

خدا کا شکر ادا کیا کر

ہو ان کی عمر میں برکت

روزانہ یہ دعا بھی کیا کر

جتنا ہو سکے جیتے جی

ان کی قدر کر لیا کر

سلام کی یہ بات گر لگے دل کو

تو دعا میں اسے بھی یاد رکھ لیا کر

(سلام لاجپوری)

ہے وہ خوش نصیب کس قدر
کرتے ہیں جو ماں باپ کی قدر
لو دعا ان کی شام و سحر
ہوگا آسان زندگی کا سفر
ہے بڑی نعمت فادھر مدھر
نہ رکھ خدمت میں ان کی کوئی کسر
کر خدمت ان کی خوشی سے
رکھتے ہیں وہ یہ امید تجھی سے
کی ہے انہوں نے تیری خدمت خوشی سے
جڑی تھی ان کی ہر خوشی تیری خوشی سے
رہے تیری خاطر بیدار شب بھر
نہ بھولا دینا وہ سارے منظر
کیا ضد کو تیری پورا انہوں نے
کیا تیرا ہر شوق پورا جنہوں نے
ناز انہوں نے سب تیرے اٹھائے
تجھ پے نہ جانے کتنے پیسے لٹائے

جو خود نہیں کھایا تجھے کھلایا
جو خود نہیں پہنا تجھے پہنایا
بچپن میں تجھے ہنسایا کھلایا
ہوا کچھ بڑا تو پڑھایا لکھایا
ہوا جو تو ناراض تو تجھ کو منایا
پڑھا لکھا کر تجھے قابل بنایا
اپنے دکھ درد تجھ سے چھپائے
تھے غمگین مگر دیکھ تجھے مسکرائے
کئے تجھ سے ہر وعدے نبھائے
عمدہ اخلاق تجھے سکھائے
کیا ہے تیرے لئے کیا کچھ
بتا نہیں سکتا میں وہ سب کچھ
رکھے گا گر تو ان کو راضی
ہوگا خدا بھی تجھ سے راضی
نہ کرنا کبھی ان پہ غصہ
ورنہ ہوگا خدا تجھ پہ غصہ
رہنا آگاہ سدا اس بات سے

نہ دیکھنا کبھی ان کو ترچھی نگاہ سے
نہ کرنا کسی سے ان کی برائی
ہوگی ناراض اس عمل سے کبریائی
کرنا حقوق ان کے سب پورے
ہے وہ تیرے بن ادھورے
سدا ان سے تو مل کے رہنا
ہو گر دور تو جاکر ملتے رہنا
نہ کبھی دل ان کا دکھانا
آگے ان کے سدا سر جھکانا
نہ ہوگی ان سے برداشت تیری بیوفائی
ہوتی ہے ان پہ شاق تیری جدائی
رکھنا یاد ان کو اپنی دعا میں
دیتا ہے یہ حکم خدا قرآں میں
خدا رکھے سب کے والدین کو سلامت
دنیا سے ان کا چلے جانا ہے قیامت
سلام نے درد دل سے اس کو لکھا ہے
ماں باپ کی دعا سے ہی یہ بھی سیکھا ہے

اپنی تحریر کو گاؤں لاچپور کے ذکر پر ختم کرتا ہوں چونکہ والد مرحوم کو اپنی مٹی سے خوب محبت تھی۔

چاہت

گاؤں میرا لاچپور ہے
جو کئی طرح کی سہولت سے پر ہے
ایک عرصہ سے رہ رہا ہوں اس سے دور
ہے تمنا پھر سے دیکھوں جا کے ضرور
جب بھی دیکھتا ہوں گاؤں لاچپور
ملتا ہے آنکھوں کو قرار دل کو سرور
ہے موجود وہاں کئی اللہ والے
چھلکتا ہے جن کی پیشانی سے ایمان کا نور
ہے جہاں بھر میں گاؤں کی علمی شہرت
ہے علم کے میدان میں وہ بڑا مشہور
کرتا ہے گاؤں کا ہر آدمی
گاؤں سے اپنے محبت بھر پور
رہ رہا ہے سلام گاؤں سے ہزاروں میل دور
قسمت میں جو لکھا تھا ہے اسے وہ منظور

کون چاہتا ہے وطن سے دور رہنا
کوئی نہ کوئی مجبوری کرتی ہے آدمی کو مجبور

(سلام لاچپوری)

ورنہ کون وطن چھوڑنے کو تیار ہوتا ہے

وطن سے اپنے ہر ایک کو پیار ہوتا ہے
کوئی رکھتا ہے دل میں تو کوئی کرتا اظہار ہوتا ہے
مجبوریاں وطن چھوڑنے پر مجبور کرتی ہے
ورنہ کون وطن چھوڑنے کو تیار ہوتا ہے
جنہوں نے وطن چھوڑا ہے ان سے پوچھو
یہ فیصلہ کتنا دشوار ہوتا ہے
ماں باپ بھائی بہن سب کو چھوڑ
جانا دور سات سمندر پار ہوتاہ ہے
نئ بستی نیا ملک نئے لوگ نیا کلچر
خود کو اس ماحول میں ڈھالنا بڑا دشوار ہوتا ہے
سلام جیون کے بھی کتنے رنگ ہوتے ہیں
ہم کہیں پیدا کہیں مقیم کہیں دفن ہوتے ہیں

گزارش

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بدیں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم
تو نیز از بدی بینی اندر سخن
بخلق جہاں آفریں کار کن

ترجمہ۔میں نے سنا ہے کہ قیامت کے دن برے لوگوں کو نیکوں کے واسطے سے خدا بخشے گا،تو بھی میرے کلام میں اگر برائی دیکھے تو جہاں پیدا کرنیوالے کی عادت کے موافق عمل کر۔

چو بینی پسند آیدت از ہزار
بہ مردی کہ دست از تعنت بدار

جب ہزار شعر میں تجھ کو ایک پسند آجائے تو تجھ کو مروت کی قسم ہے کہ عیب جوئی سے دست بردار ہو۔

مئولف کی دیگر تالیفات

(۱)منتخب تقاریر۔جلداول

(۲)مجالس خطیب الامت۔اول ودوم

(۳)لطائف سورۂ یوسف۔اول ودوم

(۴)ملفوظات خطیب الامت۔جلداول

(۵)ارشادات خطیب الامت۔جلداول

(۶)بچوں کے لئے احکام ومسائل

(۷)مختصر تذکرہ وتعارف حضرت مولانا یعقوب اشرف صاحب راندیریؒ

(۸)گلدستہ سعید یعنی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کا کچھ ذکر خیر

(۹)حمد ونعت کا گلدستہ

(۱۰)شخصیات (منظوم) (غیر مطبوعہ)

(۱۱)میرے محسنین یعنی میرے ان اساتذۂ کرام کا ذکر خیر
جواب اس دنیا میں نہیں ہے (غیر مطبوعہ)

(۱۲)مدرسہ اسلامیہ لاجپور کے دس اساتذہ کا کچھ ذکر خیر (غیر مطبوعہ)

(۱۳)دل کے احساسات بشکل رباعی (غیر مطبوعہ)